ستمبر 2016، قیمت:- /10₹

ماهنامه

بچوں کی دنیا

دہلی
Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

www.urducouncil.nic.in

ڈاکٹر رادھا کرشنن

یومِ اساتذہ

(5 ستمبر)

استاد کی کتابِ زندگی کے سر ورق پر 'علم' نہیں لکھا ہوتا 'محبت' کا عنوان ہوتا ہے۔

—ڈاکٹر ذاکر حسین، سابق صدر، جمہوریہ ہند

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے ،اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظرِ عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
پروفائل	عزت مآب پرکاش جاوڈیکر	ادارہ	05
یوم اساتذہ	ایک دن کا ٹیچر	اسد رضا	07
عید قرباں	کراماتی بکرا	رونق جمال	11
نظمیں	ریل گاڑی	حنیف کیفی	13
	بچپن کی یاد	حضور سہسوانی	14
	باغ و بہار گنگا	انور بارہ بنکوی	15
مضمون	عظیم باکسر محمد علی کلے	اشرف علی	16
سائنس کی الف لیلہ	الکیمیا تین سو سال کے وقفہ کے بعد	سکلٹف اور سکلٹف	20
کہانی	انسانیت	نسیم احمد	26
نظم	نہیں پسند	شاد اعظمی ندوی	28
کہانی	میٹھا اس رشتے کی	منظور پروانہ	29
مضمون	بہروپیے جانور	جاوید نہال حشمی	31
سیر کر دنیا کی	حیلہ: ایک نئی تفریح گاہ	سید ضیاء الحسن	38
نظمیں	بادل تم کیوں آتے نہیں	شجاع الدین شاہد	41
	جنگلوں کی بہار	احمد سعید اظہر	41
قسط وار ناول	قصہ حاتم طائی	حیدر بخش حیدری	42
کہکشاں	چمن چمن کے پھول	ادارہ	50
	اچھی باتیں	محراج الدین	51
	اقوالِ زرّیں	ضیاء عالم	51
	انوکھے میوزیم (عجائب گھر)	انتخاب بن تنویر	52
	ہماری زبان	ادارہ	54
	سوالات	عبدالقیوم	55
	ہنسی کے غبارے		57
	غلطی کا احساس	روبینہ ساگر روبی	58
	کتنے پیالے پانی	مومن لائبہ	59
ننھے فنکار	بچوں کی پینٹنگ		60
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

بچوں کی دنیا

جلد: 4 شمارہ: 9 ستمبر 2016

مدیر : پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 11-49539009

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی- 110066
فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! کسی بھی ملک کی ترقی میں اس ملک کے لوگوں کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے اور لوگوں کو سچی، سیدھی راہ دکھانے میں اساتذہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس طرح ملک وقوم کی ترقی اور خوش حالی میں اساتذہ کے رول کو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ زمانہ قدیم سے ہی استاد کو احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس استاد نے کسی کو ایک حرف بھی سکھا دیا وہ استاد قوم کا ایک معمار ہے۔ قوم کے یہ معمار محنت کرکے پتھر کو ہیرے میں تبدیل کرتے ہیں اور ان کے تراشے ہوئے ہیرے مختلف میدانوں میں ان کا نام روشن کرتے ہیں۔ ارسطو نے کہا ہے:

''جو لوگ بچوں کو اچھی تعلیم دیتے ہیں ان کی عزت کرو۔ ماں باپ تمھیں پیدا کرتے ہیں لیکن استاد تمھیں اچھی زندگی گزارنے کا فن سکھاتے ہیں۔''

دنیا کے مختلف ممالک میں عالمی یومِ اساتذہ 5 اکتوبر کو منایا جاتا ہے لیکن ہمارے ملک میں یہ 5 ستمبر کو مشہور ومعروف ماہرِ تعلیم اور ملک کے دوسرے صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن کے یوم پیدائش کی مناسبت سے منایا جاتا ہے۔ اِس موقعے پر اسکولوں اور کالجوں میں مختلف طرح کے پروگرام منعقد ہوتے ہیں اور طالب علم اپنے اساتذہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کے تئیں اپنی عقیدت واحترام کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ دن نہ صرف استاد کی اور تعلیم کی اہمیت کو سمجھنے کا ہے بلکہ دونوں کے لیے محاسبہ کرنے کا بھی ہے کہ استاد اپنے فرائض کو کتنی ایمان داری اور سچائی سے ادا کررہے ہیں اور طالب علم اپنے استاد کے بتائے ہوئے راستے پر کس طرح چل رہے ہیں۔ موجودہ حالات میں ملک کی کئی ریاستوں کے پرائمری اسکولوں کے اساتذہ کی تعلیمی لیاقت کا حال ہم ٹی وی اور اخبارات میں دیکھتے رہتے ہیں۔ کئی اساتذہ تو ایسے ہیں جنھیں جنوری-فروری، تھری فور، اور منڈے، تھرس ڈے کی اسپیلنگ نہیں آتی۔ کسی کسی کو تو 15 اگست، 26 جنوری کا بھی نہیں پتہ۔ حد تو یہ ہے کہ انھیں ہمارے ملک کے وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ کا بھی علم نہیں۔ اب آپ سوچیں گے کہ ایسے اساتذہ قوم کی ترقی میں کتنے مددگار ثابت ہوں گے۔ ان سے تعلیم حاصل کررہے بچوں کا مستقبل کیا ہوگا۔ ایسی صورت حال میں تمام ایسے اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اپنا محاسبہ کریں اور اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کریں۔ نصاب کے مطابق خود کو تیار کریں۔ اخبارات اور رسائل سے جڑے رہیں۔ ساتھ ہی انتظامیہ کے ذریعے منعقدہ تربیتی کورسوں میں شرکت کرکے اپنی لیاقت کو بڑھائیں۔ یوم اساتذہ پر والدین اور استاد مل کر یہ عہد کریں کہ بچوں کو بہتر اور معیاری تعلیم دلانے میں اپنا بھرپور تعاون دیں گے۔

اچھا استاد وہ نہیں ہوتا جو نصاب کی تعلیم دے کر خوش ہوجاتا ہے بلکہ اچھے استاد کی خوبی یہ ہے کہ وہ بچوں کو اخلاقی تربیت بھی دے۔ انھیں سبق آموز کہانیاں سنائے۔ انھیں سوال کرنے پر مجبور کرے۔ انھیں خواب دیکھنے کو کہے۔ چھوٹی عمر کا بچہ اگر کوئی سوال کرے تو استاد اس کی حوصلہ افزائی کرے اور اس کی باتوں پر توجہ دے۔ اس سے بچے کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوگا اور وہ اپنی زندگی میں بہتر کرنے کی کوشش بھی کرے گا۔ جب اساتذہ اپنا کام انصاف اور ایمانداری سے مکمل کرتے ہیں تو جو احترام ان کے حصے میں آتا ہے اس کا اندازہ صرف وہ استاد ہی لگا سکتا ہے۔

'بچوں کی دنیا' کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش جاری ہے۔ مستقبل میں کچھ اور نئے سلسلوں کی شروعات ہوگی۔ آپ کو یہ سلسلے ضرور پسند آئیں گے۔ اس شمارے میں ہم نے یوم اساتذہ کے متعلق ایک کہانی اور مشہور باکسر محمد علی کلے پر خصوصی مضمون شامل کیا ہے۔ آپ سب اپنے مشوروں اور تاثرات سے ہمیں آگاہ کرنا نہ بھولیں۔

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

عزت مآب پرکاش جاوڈیکر

(مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند)

پیارے بچو! آپ کا محبوب ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' قومی اردو کونسل سے شائع ہوتا ہے۔ ہماری یہ کونسل وزارت برائے فروغ انسانی وسائل Ministry of Human Resource Development کے تحت کام کرتی ہے۔ ملک میں تعلیم سے متعلق تمام معاملات یہی وزارت طے کرتی ہے۔ آپ کے مستقبل کا دارو مدار بھی اسی وزارت پر ہے، اس لیے آپ سب بچوں کو اس وزارت کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات ضرور ہونی چاہیے۔ آپ کو پتہ ہوگا کہ پہلے محترمہ اسمرتی ایرانی صاحبہ وزارت برائے فروغ انسانی وسائل کی مرکزی وزیر تھیں۔ اب مرکزی حکومت نے محترم پرکاش جاوڈیکر صاحب کو اس وزارت کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ پرکاش صاحب نہایت جہاندیدہ اور تجربہ کار رہنما ہیں۔ ان کی ساری زندگی عوامی خدمات اور لوگوں کی مدد کرتے ہوئے گزری ہے۔ انھوں نے اپنی محنت اور لگن سے ہم سب کے سامنے کامیابی کی ایک عظیم مثال پیش کی ہے۔

پرکاش جی کی پیدائش 30 جنوری 1951 کو پونے، مہاراشٹر میں ہوئی تھی۔ انھوں نے بی کام کی تعلیم پونے یونیورسٹی سے مکمل کی اور اس کے بعد تقریباً دس برسوں تک (1971-1981) بینک آف مہاراشٹر میں کام کیا۔ سیاست میں آنے سے قبل وہ کالج کے دنوں میں ABVP کے ساتھ جڑے رہے اور 1975-77 کے دوران ایمرجنسی حکومت کے خلاف طلبا تحریکوں میں جوش وخروش سے حصہ لیا جس کے لیے انھیں جیل

کی سلاخوں کے پیچھے بھی رہنا پڑا۔ 1989 میں انھیں بھارتیہ جنتا پارٹی کے مہاراشٹر کا ریاستی سکریٹری چنا گیا اور وہ اس عہدے پر 1995 تک رہے۔ 2008 میں انھیں مہاراشٹر سے ہی راجیہ سبھا کے لیے منتخب کیا گیا اور 2014 میں وہ مدھیہ پردیش سے چنے گئے اور پورے ملک میں بی جے پی کی شاندار کارکردگی میں ان کا بھی اہم کردار رہا۔ انھیں ماحولیات، جنگلات اور آب و ہوا کی تبدیلی کے محکمے میں وزیرِمملکت (آزادانہ چارج) بنایا گیا۔ ساتھ ہی وہ پارلیمانی امور کے وزیر مملکت کی ذمے داری بھی سنبھال رہے تھے۔ انھوں نے 2015 میں UNO کی تبدیلی آب و ہوا پر منعقدہ کانفرنس میں بھارت کے وفد کی نمائندگی کی۔ انھوں نے مئی 2014 سے نومبر 2014 تک اطلاعات و نشریات کے وزیر مملکت کی بھی ذمے داری سنبھالی۔ وہ بی جے پی کے ایک اچھے اور خوش بیان قومی ترجمان کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کی انہی خوبیوں اور سیاست میں ان کی سوجھ بوجھ کو دیکھتے ہوئے انھیں فروغ انسانی وسائل جیسی اہم وزارت سونپی گئی ہے جو پہلے اسمرتی ایرانی صاحبہ سنبھال رہی تھیں۔ پرکاش صاحب نے وزارت سنبھالنے کے بعد طلبا سے خصوصی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ طلبا اسکولوں میں زیادہ سے زیادہ سوالات پوچھیں اور اپنے تجسس کو مرنے نہ دیں۔

جناب پرکاش جاوڈیکر نے ملک میں تعلیم کے معیار کو مزید بہتر بنانے کے عزم کا بھی اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ معیاری تعلیم شخصیت کی تعمیر میں اہم رول ادا کرتی ہے۔

پرکاش جاوڈیکر کی اہلیہ ڈاکٹر پراچی جاوڈیکر اندرا انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ پونے کی سابق ڈائریکٹر رہ چکی ہیں، بیٹا ڈاکٹر آشوتوش جاوڈیکر ڈینٹسٹ اور آرٹسٹ ہیں۔ دوسرے بیٹے اپوروا جاوڈیکر بوسٹن یونیورسٹی سے اقتصادیات میں پی ایچ ڈی کررہے ہیں۔ پرکاش جاوڈیکر جی امریکہ، یوروپ، بلجیم، فن لینڈ، ڈنمارک، اسرائیل، تائیوان، جاپان، چین، جرمنی، برازیل، فرانس، کینیا وغیرہ کا دورہ بھی کرچکے ہیں۔ بیروز گاری، معاشیات اور اقتصادیات کے موضوع پر ان کی کئی کتابیں چھپ چکی ہیں اور سیکڑوں مضامین بھی اخبارات و رسائل میں شائع ہوچکے ہیں۔ انھیں سرپرشوتم داس ٹھاکر میموریل قومی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔

قومی اردو کونسل محترم پرکاش جاوڈیکر جی کو مبارک باد پیش کرتی ہے اس یقین کے ساتھ کہ ان کی قیادت میں قومی اردو کونسل ترقی کی مزید منزلیں طے کرے گی۔

(ادارہ)

اسد رضا

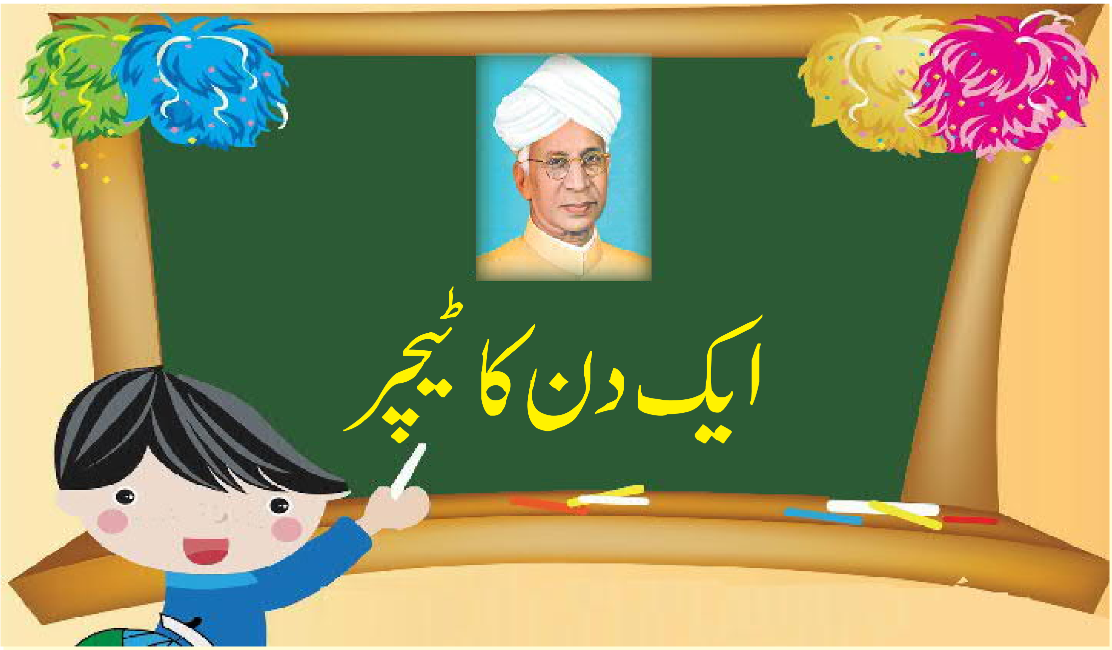

ایک دن کا ٹیچر

ننھے میاں ایک دن کے لیے ٹیچر بنے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ آپ شاید کہیں کہ ایک دن کا بادشاہ، دو دن کا نواب، تین دن کا راجہ جیسے محاورے تو کئی بار سنے لیکن 'ایک دن کا ٹیچر' نہ کہیں دیکھا نہ سنا۔ آپ کا کہنا ایک حد تک تو صحیح ہے لیکن آزاد ہندوستان کے صدر جمہوریہ آنجہانی سروو پلی ڈاکٹر رادھا کرشنن کے یوم پیدائش 5 ستمبر کو جب سے ٹیچر ڈے (یوم اساتذہ) کے طور پر منایا جانے لگا ہے تب سے کچھ اسکولوں میں پڑھنے لکھنے میں بہترین طالب علم یا طالبہ کو ایک دن کی لیے ٹیچر بننے اور کلاس کو پڑھانے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس سال بھی 5 ستمبر سے دو روز قبل کلاس ٹیچر جعفر رضا نے درجہ 8 کے طالب علم ننھے میاں سے کہا کہ ''پرسوں 5 ستمبر کو ٹیچرس ڈے ہے۔'' ہمارے آنجہانی صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشنن چونکہ پیشے کے لحاظ سے ٹیچر یعنی فلسفے کے مشہور پروفیسر تھے۔ اس لیے جب ان کے شاگردوں نے اپنے استاد کا جنم دن منانے کی خواہش ظاہر کی تو ڈاکٹر رادھا کرشنن نے کہا کہ ''ضرور مناؤ لیکن میرے یوم پیدائش کے طور پر نہیں بلکہ یوم اساتذہ کی شکل میں۔'' ان کے شاگردوں نے صرف مدراس یونیورسٹی میں ہی نہیں جہاں وہ پروفیسر تھے، بلکہ سارے ملک میں 5 ستمبر 1962 کو نہایت احترام وعقیدت سے پہلا ٹیچرس ڈے منایا۔ تب سے آج تک ہمارے وطن میں ڈاکٹر صاحب کا یوم ولادت، یوم اساتذہ کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس لیے میری خواہش ہے ننھے میاں کہ تم اور مختلف درجات کے بہترین طلبا وطالبات اپنی اپنی کلاسوں میں تاریخ، جغرافیہ، سائنس، حساب، اردو، ہندی وغیرہ پڑھائیں، کیونکہ آج کے طلبا کل کے اساتذہ ڈاکٹر، انجینئر اور ادیب وشاعر ہوں گے۔ یہ سن کر ننھے میاں بہت خوش ہوئے کہ وہ بھی ٹیچر بن کر اپنی کلاس کے ساتھیوں کو تاریخ پڑھائیں گے۔ دراصل ننھے میاں ایک عام سے خاندان کے سب سے چھوٹے مگر پیارے بیٹے ہیں۔ ان کے

ابو کی پرچون کی دکان ہے۔ اس لیے ننھے میاں بھی دکان پر بیٹھ کر سامان فروخت کرتے ہیں لیکن وہ دکان پر بھی اپنی کاپی اور کتاب رکھتے ہیں تاکہ خالی وقت میں پڑھ سکیں۔ سابق صدر جمہوریہ مرحوم اے پی جے عبدالکلام کی زندگی سے وہ بہت متاثر ہیں۔ گھر میں سب سے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہی انہیں امی اور ابو ننھے میاں کہہ کر پکارنے لگے اور اب تو وہ سارے محلے اور اسکول میں ننھے میاں کے نام سے ہی مشہور ہیں۔ حالانکہ ان کا اصلی نام جو اسکول کے رجسٹر میں درج ہے، شیخ محمد علی ہے، چونکہ وہ چھٹی اور ساتویں کلاس میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے ٹاپر رہے۔ اس لیے ان کی فیس ہی معاف نہیں ہوئی بلکہ وظیفہ بھی ملتا ہے لیکن وہ وظیفہ کی رقم سے کتابیں اور بچوں کے رسائل زیادہ اور کھیل کا سامان کم خریدتے ہیں۔ ان کی الماری میں کورس کی کتابوں کے علاوہ جنرل نالج، انگلش، سائنس، تاریخ کی کتابیں اور ڈکشنریاں وغیرہ موجود ہیں۔ ننھے میاں کی پڑھائی میں دلچسپی، محنت اور لگن کی وجہ سے اساتذہ بھی ان کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ ماہانہ ٹیسٹ، ششماہی اور سالانہ امتحان میں بھی وہ سب سے زیادہ نمبر لا کر کلاس میں پہلا مقام حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ یوم اساتذہ پر صرف اچھے طلبا کو ہی ٹیچر بننے اور کلاس کو پڑھانے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس لیے 5 ستمبر کو استاذ بننے کا اعزاز حاصل کر کے وہ بہت ہی مسرور تھے۔ انہوں نے اپنے ابو، امی اور بڑے بھائیوں کو نہایت فخر کے ساتھ یہ اطلاع دی کہ وہ 5 ستمبر کو یوم اساتذہ پر ایک دن کے لیے ٹیچر بنیں گے اور اپنی کلاس VIII-A کو تاریخ پڑھائیں گے۔ یہ خوش خبری سن کر ان کے گھر والے بھی بہت خوش ہوئے اور سب سے بڑے بھائی تو اتنے خوش ہوئے کہ وہ گھر کے باہر گلی میں واقع سوئٹ ہاؤس سے آدھا کلو برفی لے آئے۔ سب سے پہلے انہوں نے ننھے میاں کا منھ میٹھا کرایا اور پھر سب گھر والوں نے مٹھائی کھائی۔ ابو نے ننھے میاں کو ایک کیپ دیتے ہوئے کہا ’اسے لگا کر کلاس کو پڑھانا‘۔ اس کیپ پر مرحوم اے پی جے عبدالکلام کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ جب ننھے میاں نے ابو سے ’شکریہ‘ کہہ کر کیپ لی تو انہوں نے اپنے اس ہونہار بیٹے کو گلے سے لگا کر دعا دی ’خدا کرے تم عبدالکلام کی ہی طرح اپنے ملک کا نام روشن کرو اور وطن کی خدمت میں سب سے آگے رہو‘۔

امی نے بھی ننھے میاں کے سر پر ہاتھ رکھ کر انہیں ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ دونوں بھائیوں نے بھی انہیں گلے لگا کر خوب پڑھنے اور آگے بڑھنے کی دعا دی۔ جب سب لوگ جشن منا چکے تو ننھے میاں اپنے کمرہ میں چلے گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے تاریخ کے اس موضوع کے بارے میں سوچا جو انہیں کلاس میں پڑھانا تھا چونکہ آٹھویں کلاس میں جدید ہندوستان کی تاریخ پڑھائی جاتی ہے جس میں 1857 کی پہلی جنگ آزادی، تقسیم ہند، ہندوستان کی آزادی اور اس کے بعد ملک میں مختلف سیاسی پارٹیوں کی حکومتوں اور وطن کی معاشی، سماجی اور سیاسی ترقی، پڑوسی ممالک کے ساتھ تعلقات وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ ننھے میاں نے انگریزی حکومت کے خلاف ’بھارت چھوڑو تحریک‘ اور گاندھی جی کے ستیہ گرہ سے متعلق تاریخ کا موضوع کلاس میں پڑھانے کے لیے منتخب کیا۔ حالانکہ ان کے پاس درجہ 8 کی تاریخ کی کتاب موجود تھی لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ کلاس میں طلبا کو پڑھانے کے لیے ٹیچر کو ان سے زیادہ معلومات ہونی چاہیے۔ لہٰذا ننھے میاں نے اپنے سب سے بڑے بھائی حامد علی سے جو بارہویں کلاس میں پڑھتے ہیں اور تاریخ بھی ان کا ایک منتخبہ مضمون ہے، ان کی

بارہویں کی تاریخ کی کتاب مطالعہ کے لیے ایک دن کے لیے مانگی۔ حامد بھائی جان نے خوشی خوشی انہیں اپنی تاریخ کی کتاب دے دی۔ ننھے میاں نے اس کتاب میں ہندوستان کی دوسری جنگ آزادی کی تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ کچھ نوٹس بھی بنائے۔ اگلے روز یعنی 4 ستمبر کو وہ اسٹیشنری کی دکان پر گئے اور انہوں نے مجاہدین آزادی مہاتما گاندھی، شہید بھگت سنگھ، جواہر لعل نہرو، چندر شیکھر آزاد، نیتاجی سبھاش چندر بوس، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کی بڑی بڑی تصویریں خریدیں اور گھر آ گئے۔ گھر آ کر انہوں نے مجاہدین آزادی کے حالات زندگی، ان کی آزادی کے لیے جدوجہد اور قربانیوں سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیا اور کچھ نکات بھی نوٹ کیے۔ ان نوٹس کو بار بار پڑھ کر تصور میں انہیں دوہرایا۔ خاص تاریخوں اور سالوں کو یاد کیا۔ ننھے میاں نے امی، ابو اور حامد بھائی جان کے مشورے سے یہ طے کیا کہ وہ کون سا لباس پہن کر اپنی کلاس کو پڑھائیں گے۔ انہوں نے اپنے لیے سیاہ پینٹ، سفید شرٹ اور بلیک ٹائی منتخب کی۔ یہ چیزیں ان کے پاس پہلے ہی سے موجود تھیں۔ ننھے میاں کا قد لمبا تھا اور جسم بھی دبلا پتلا نہیں تھا۔ پینٹ، شرٹ، ٹائی اور سر پر کیپ لگا کر وہ واقعی ایک ٹیچر جیسے لگ رہے تھے۔ اگرچہ انہیں اپنے علم اور صلاحیت پر مکمل اعتماد تھا لیکن اس کے باوجود ایک جھجک بھی دل و دماغ میں تھی اور وہ یہ کہ بہرحال کلاس کو پہلی بار پڑھانے کے لیے وہ آئے تھے۔ علاوہ ازیں کلاس میں کچھ شرارتی طلبا بھی تھے جو ان کا مذاق اڑا سکتے تھے۔ دراصل ایک دن کا ٹیچر بننا آسان کام نہیں تھا۔ اس کے لیے حوصلہ و ہمت کی بھی اشد ضرورت تھی۔ ننھے میاں کم عمر یعنی 13 سال کے ضرور تھے لیکن ان میں غضب کا حوصلہ اور ہمت تھی۔

5 ستمبر کی صبح کو تقریباً 7 بجے حامد بھائی جان اپنی موٹر سائیکل سے ننھے میاں کو اسکول کے مین گیٹ پر چھوڑ گئے۔ اسکول کے طلبا و طالبات ان کی ڈریس اور سر پر اے پی جے عبدالکلام کی تصویر کی حامل کیپ، ایک ہاتھ میں مجاہدین آزادی کی تصاویر والے چارٹس کو دیکھ کر مسکرائے۔ ان کی مسکراہٹ دیکھ کر ایک بار تو ننھے میاں کا دل زور سے دھڑکا لیکن فوراً ہی انہوں نے اپنے دل و دماغ پر قابو پا لیا اور بڑے اعتماد کے ساتھ وہ اسکول میں داخل ہوئے۔ راہ میں انہیں اپنے چند اساتذہ بھی ملے جنھیں نہایت ادب و احترام کے ساتھ ننھے میاں نے سلام کیا۔ وہ آگے بڑھے تو دسویں کلاس کے ایک طالب علم نے جو انہیں اچھی طرح جانتا تھا، مسکرا کر یہ شعر پڑھا:

میاں ننھے تو اب ٹیچر بنے ہیں
وہ دیکھو تان کر سینہ چلے ہیں

شعر سن کر ننھے میاں کچھ شرمائے لیکن پھر وہ حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھے اور اپنی کلاس میں داخل ہو گئے۔ کلاس ٹیچر وہاں پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اور سر جھکا کر ٹیچر کو سلام کیا۔ ٹیچر کلاس سے مخاطب ہوئے اور نہایت سنجیدگی سے کہا ’بچو! آج آپ ہی کے ایک قابل اور باصلاحیت ساتھی جنہیں آپ سب ننھے میاں کہہ کر پکارتے ہیں، تاریخ پڑھائیں گے۔ مجھے پوری امید ہے کہ آپ لوگ ان کے ساتھ تعاون کریں گے۔‘ یہ کہہ کر انہوں نے ننھے میاں کو ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا ’آیئے ٹیچرس ڈے پر تاریخ پڑھایئے اور ہم سب اساتذہ کی دعائیں لیجئے۔‘ یہ کہہ کر کلاس ٹیچر تو کمرہ سے باہر چلے گئے اور ننھے میاں بلیک بورڈ کے سامنے آ گئے۔ کلاس کی طرف منھ کر کے انہوں نے تمام طلبا و طالبات کو سلام کرنے کے بعد کہا ’دوستو! اگرچہ میں آپ ہی کی طرح ایک طالب علم ہوں لیکن آج یوم اساتذہ پر میں آپ کو وطن کی جدید

تاریخ پڑھاؤں گا، لیکن پڑھانے سے قبل میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اور وہ سوال یہ ہے کہ ہمارے ملک کا نام کیا ہے؟ سوال سن کر کئی طلبا وطالبات نے جواب دینے کے لیے ہاتھ اٹھائے، لیکن اس سے پہلے کہ وہ کسی طالب علم کو جواب دینے کے لیے کہتے جمیل خاں جو اپنی شرارتوں کے لیے مشہور تھے، خود کھڑے ہوگئے اور بولے 'سر! ہمارے ملک کا نام امریکہ ہے'۔ یہ جواب سن کر سب نے قہقہہ لگایا لیکن ننھے میاں مسکرائے بھی نہیں بلکہ نہایت سنجیدگی سے جمیل خاں کو مخاطب کیا 'آپ نے تو اپنے ملک کا نام ہی نہیں براعظم بھی تبدیل کردیا۔ میں جانتا ہوں کہ جمیل بھائی آپ نے شرارتاً اپنے ملک کا نام غلط بتایا ہے لیکن اگر آپ میرے ایک اور سوال کا صحیح جواب دے دیں تو میں آپ کو اپنا استاذ تسلیم کرلوں گا۔ یہ بات سن کر سب طلبا وطالبات حیرت سے ننھے میاں کو دیکھنے لگے۔ کچھ طلبا جمیل خاں کو بھی گھور رہے تھے۔

ننھے میاں نے سوال کیا ''جمیل بھائی یہ بتایئے کہ موتی لعل نہرو، پنڈت جواہر لعل نہرو کے کیا تھے؟ یہ سوال سن کر جمیل خاں خاموش کھڑے رہے۔ کلاس کا کوئی بھی اسٹوڈنٹ جواب نہیں دے پایا تو ننھے میاں نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا 'جمیل بھائی تشریف رکھئے۔ یہ بہت آسان سوال تھا۔ ارے بھئی! موتی لعل نہرو، پنڈت جواہر لعل نہرو کے والد کا نام تھا''۔ یہ سن کر ساری کلاس نے خوشی کا اظہار کیا تو جمیل خاں کچھ جھینپتے سے نظر آئے۔ اس کے بعد ننھے میاں نے مجاہدین آزادی کی تصاویر والا چارٹس بلیک بورڈ کے بائیں طرف لٹکا دیا اور انگریزی حکومت کے خلاف مجاہدین آزادی کی بھارت چھوڑو تحریک کی تاریخ پر عالمانہ انداز میں روشنی ڈالنا شروع کی۔ درمیان میں وہ سوال بھی کرتے جاتے تھے جن کے جواب طلبا نہایت دلچسپی سے دیتے۔ جب پیریڈ ختم ہونے کا گھنٹہ بج گیا تو ننھے میاں نے طلبا سے اجازت لی اور وہ کلاس کے باہر آ گئے۔ درجہ 8 کے تین سیکشن A,B اور C تھے۔ ان تینوں میں ننھے میاں نے تاریخ پڑھائی۔ ان کے اساتذہ اور خود پرنسپل صاحب نے بھی مختلف کلاسوں میں 'ایک دن کے ٹیچر' کا تعلیم دینے کا اندازہ کھڑکیوں سے بغور دیکھا۔

آخری دو پیریڈ میں اسکول کے ہال میں 'یوم اساتذہ' پر ایک جلسہ ہوا جس میں طلبا وطالبات اور ان کے والدین وسرپرستوں نے اساتذہ کو اعزاز واکرام اور انعامات سے نوازا۔ علاوہ ازیں اسکول کے پرنسپل صاحب اور منتظمہ کمیٹی کے منیجر اور صدر نے 'ایک دن کا ٹیچر' بننے والے طلبا وطالبات کو بھی اعزاز سے سرفراز کیا۔ ننھے میاں کو ایک دن کا بہترین ٹیچر قرار دیا گیا۔ یوم اساتذہ کی کوریج کرنے والا ایک میڈیا رپورٹر بھی اسکول میں آیا اور اس نے اساتذہ، والدین اور طلبا وطالبات کے تاثرات لئے۔ جب اس نے ننھے میاں سے 'ایک دن کا ٹیچر' بننے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا 'ہمارے اساتذہ ہمیں پڑھانے کے لیے کتنی محنت سے تیاری کرتے ہیں اور ہمیں علم کی روشنی دیتے ہیں، اس کا احساس مجھے 'ایک دن کا ٹیچر' بن کر ہوا۔ میں اپنے اساتذہ اور ان کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اور اپنے اساتذہ کو سلام کر کے ننھے میاں اپنے ابو اور امی کے ساتھ جو ٹیچرس ڈے پر اسکول میں آئے تھے، مسکراتے ہوئے گھر کی طرف چل پڑے۔ لاؤڈ اسپیکر پر ایک بھجن نما نغمہ کا یہ مصرعہ سنائی دے رہا تھا۔

'گرو بن گیان کہاں سے پاؤں؟

■

Asad Raza
97-F, Sec-7, DDA Flat
Jasola, New Delhi - 110025

■ رونق جمال

جیسے ہی بقرعید کا چاند دکھائی دیا بیگم کی جانب سے حکم صادر ہوا کہ قربانی کے لیے ایک اچھا فربہ خوب صورت کراماتی بکرا خریدا جائے۔ بیگم کا حکم سر آنکھوں پر کیونکہ بیگم تو بیگم ہوتی ہیں۔ چاہے شاہجہاں کی ممتاز محل ہو یا ہماری جمیلہ ممتاز۔

ہماری جمیلہ ممتاز کا حکم تھا۔

ہم کربلا میدان پہنچ گئے جہاں ہر سال بقرعید کے لیے بکروں کا خصوصی بازار لگتا ہے۔ بکروں کے بیوپاری اور بکرا مالکان دور دراز سے بکرے لے کر فروخت کرنے کے لیے اس امید سے کربلا میدان آتے ہیں کہ عید قرباں کے سنہری موقع کا فائدہ بکرے کی اچھی قیمت کی شکل میں ملے گا۔ ہم کربلا میدان پہنچے اور بکرے کے قریب جا کر دیکھنے لگے کہ بکرا فربہ ہے یا نہیں۔ کئی بکرے دیکھنے کے بعد ایک فربہ بکرے کو دیکھ کر ہماری باچھیں کِھل گئیں۔ ہم لپک کر بکرے کے قریب پہنچے۔ بکرے کے مالک نے ہمیں دیکھ کر سڑا سا منھ بنایا جیسے اسے ہماری جیب کی اوقات کا پتہ چل گیا ہو۔ ہم نے آگے پیچھے گھوم کر بکرے کو دیکھا۔ ہمیں گھومتا دیکھ کر بکرا بھی گھومنے لگا تو ہمیں ایسا محسوس ہوا جیسے بکرا بھی ہمیں گھوم کر دیکھ رہا ہو۔ ہم رک گئے تو بکرا بھی رک گیا۔ ہم نے بکرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ بکرا بھی ہمیں بنا پلکیں جھپکائے گھورنے لگا۔ ہم بھی کہاں بکرے سے ہار ماننے والے تھے۔ بنا پلکیں جھپکائے ہم بھی بکرے کے قریب ہونے لگے۔ بکرے کا مالک خاندانی قصائی تھا اس نے ہماری باڈی لینگویج سے پہچان لیا کہ ہمارا ارادہ کیا ہے۔ وہ فوراً دوڑ کر ہم دونوں کے بیچ دیوار بن کر کھڑا ہو گیا اور ہمیں پیچھے ڈھکیلتے ہوئے بولا۔

”کیوں صاحب آپ بکرا خریدنے آئے ہیں یا بکرے سے پنجہ لڑانے—!“ ”تمھارا بکرا پنجہ بھی لڑاتا ہے۔“

”صرف پنجہ ہی نہیں لڑاتا کشتی بھی کھیلتا ہے—“

”ونڈرفل—! کہیں تم مذاق تو نہیں کر رہے ہو—؟“

”نہیں جناب بھلا میں کیوں آپ سے مذاق کرنے لگا۔ تمھارا یہ بکرا ضرور کراماتی ہے۔“

”آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ بکرا کراماتی ہے—“

”میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پڑھا ہے۔!“

”تو پھر خرید رہے ہیں نا آپ میرا یہ کراماتی بکرا—“

”کیا قیمت ہے بولو—“

”جی پورے دس ہزار روپے..... میرا مطلب ہے صرف دس ہزار روپے—!“

”دس ہزار—!! تم بکرے کے دام بتا رہے ہو یا ہاتھی

کے—!''

''صاحب بکرے... وہ بھی کراماتی بکرے کے.... ہاتھی تو مرکر بھی سوالاکھ کا ہوتا ہے!''

''وہ زمانہ ہوا ہوگیا ہے جب ہاتھی مرکر بھی سوالاکھ کا ہوتا تھا اب تو اس دور میں زندہ ہاتھی بھی سوالاکھ کا نہیں بکتا—''

''خیر چھوڑ یئے صاحب یہ بتایئے آپ میرے بکرے کی قیمت دس ہزار روپے دو گے یا نہیں!''

''دوں گا—! ضرور دوں گا لیکن پہلے مجھے اسے اچھی طرح دیکھ اور پرکھ بھی تو لینے دو!''

''ضرور دیکھ لو صاحب اور اچھی طرح سے پرکھ بھی لو—!''

''پہلے تم ہمارے درمیان سے ہٹ تو جاؤ—!''

''یہ لو صاحب اب میں آپ دونوں کے درمیان آیا تو میں اپنے بکرے کی اولاد نہیں میرا مطلب ہے اپنے باپ کی اولاد نہیں!''

یہ کہہ کر وہ ہم دونوں کے درمیان سے ہٹ کر ایک طرف جا کر کھڑا ہوگیا اور ہم نے آگے بڑھ کر ایک بار پھر سے بکرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ بکرا بھی تن کر کھڑا ہوگیا اور ہمیں گھورنے لگا ہم اور آگے بڑھے تو اس نے سر جھکا لیا۔ ہم سمجھے کہ وہ ہم سے ڈر گیا ہے اور ہار مان گیا ہے۔ ہم نے اچھا موقع دیکھ کر سوچا یہی وقت ہے بکرے کی طاقت کو اچھی طرح چیک کرنے کا۔ ہم بکرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے بڑھے اور جیسے ہی اُسے چھونے کی کوشش کی بکرے نے ہمیں آگے بڑھ کر سینگوں پر اٹھا کر وہ پٹخنی دی کہ دن میں تارے نظر آگئے۔ تارے کیا سب کچھ نظر آگیا اور ہم بے ہوش ہوگئے۔ نا جانے کتنے گھنٹوں بعد ہوش آیا۔ لیکن جب ہوش آیا تو ہم سرکاری دواخانے کے ہڈی وارڈ میں پٹیوں سے جکڑے پڑے تھے۔ ہماری ایک ٹانگ کو رسی کی مدد سے چھت سے لٹکا دیا گیا تھا ایک ہاتھ میں پلستر چڑھا تھا۔ کمر میں بھی پٹیاں بندھی تھیں۔ ہم چند ہی لمحوں میں سمجھ گئے کہ اس کراماتی بکرے نے ہمارا کیا حشر کیا ہے۔ ابھی ہم پوری طرح حالات کا جائزہ بھی نہیں لے پائے تھے کہ ہماری بیگم جمیلہ ممتاز چیخ پڑیں... ارے ڈاکٹر صاحب دوڑو ان کو ہوش آگیا ہے۔ جمیلہ ممتاز کی آواز سن کر ہم نے آواز کی سمت مڑ کر دیکھنا چاہا لیکن ہماری چاہت کا ساتھ ہماری ہڈیوں نے نہیں دیا اور ہم درد سے کراہ اٹھے۔ ہماری کراہ سن کر ہماری جمیلہ ممتاز ہمارے اوپر جھکیں اور ہمارے چہرے کو ہاتھوں میں لے کر پیار سے بولیں... ''سرتاج یہ کیا حال بنا رکھا ہے!'' ''جمیلہ ممتاز..... ہم تمھاری آرزو پوری نہیں کرسکے..... وہ کراماتی بکرا بھی نہیں خرید سکے—!!'' ''آپ نہیں خرید سکے تو کیا ہوا—!'' وہ قصائی نے ہمیں ساری حقیقت بتا دی ہے۔ ہم نے وہ کراماتی بکرا خرید لیا ہے... پورے دس ہزار روپے میں—!!'' ''نہیں—!!!'' ''ہاں... ہاں... ہاں...!'' ہماری جمیلہ ممتاز نے خوشی چاہت اور نا جانے کون کون سے جذبات سے مغلوب ہوکر چیختے ہوئے ہمیں اس قدر زور سے دبوچ لیا کہ درد کی شدت سے ہم ایک بار پھر بے ہوش ہوگئے۔ اب کی بار ہمیں ہوش آیا تو بقرعید گزر چکی تھی۔ آج بھی بقرعید پر ہمیں وہ کراماتی بکرا بے انتہا یاد آرہا ہے.... ہر سال کی طرح.....!!! شاید یہ بھی اس کراماتی بکرے کی کرامت ہے کہ وہ ایک ڈراؤنی یاد بن کر ہمارے ذہن سے ہمیشہ کے لیے چپک گیا ہے—!!!

■

Ronaq Jamal
'Kaainat', Street No.:9, New Adarsh Nagar,
Durg - 491001 (CG)

■ حنیف کیفی

ریل گاڑی

آؤ یارو کھیلیں کھیل   مل کر ایک بنائیں ریل
پکڑو کرتوں کے دامن   سب ڈبّے، آگے انجن
آئے گارڈ بابو جی   دکھلائی وہ ہری جھنڈی
چھک چھک کرتی چل دی ریل   ہوگیا چالو اپنا کھیل
اسٹیشن آیا اترو   آؤ تھوڑا کھا پی لو
کچھ کامِک بک بھی لے لو   لے لو پزل بک اور کھیلو
تاش کے پتے مت لینا   ان کا جوئے سے ہے رشتہ
ہوں تعلیمی تاش کہیں   تب پھر کوئی حرج نہیں
انجن نے دے دی سیٹی   دوڑو آؤ کرو جلدی
چھوٹ گئی جو دیکھو ریل   رہ جائے گا سارا کھیل
لیکن اتنا دھیان رہے   چوٹ نہ گھبراہٹ میں لگے
خوشی خوشی سب گھر کو جائیں   کھیلیں کودیں دھوم مچائیں
پھر انجن نے سیٹی دی   رک کر پھر چل دی گاڑی
چھک چھک کرتی جائے ریل   چلتا رہے ہمارا کھیل

ریل کے ڈبے جیسے ملیں
اسی طرح سب مل کے رہیں

■

Prof. Haneef Kaifi
A-47, Zakir Bagh, Near Surya Hotel
Okhla Road,
New Delhi - 110025

حضور سہسوانی

بچپن کی یاد

اک زمانہ ہوگیا بچپن کو بیتے ہوئے
یاد لیکن آج بھی اس کی ستاتی ہے مجھے

بے خطا، ابّو کے چلّانے پہ وہ امی کا پیار
بھائی بہنوں کی لڑائی اور وہ سکھیوں کی مار

وہ خفا ہوجانا ہر اک سے ذرا سی بات پر
وہ الجھ پڑنا، بڑے چھوٹوں سے بےخوف وخطر

وہ گھروندے ہاتھ سے اپنے بنا کر توڑنا
چائے کی وہ پیالیوں کو توڑنا پھر جوڑنا

کھیلنا ہم جولیوں کے ساتھ وہ گڑیوں کا کھیل
وہ بگڑنا، روٹھ جانا، وہ لڑائی اور میل

ڈال کر بستہ گلے میں جانا وہ اسکول کا
اور وہ رستے میں بے مقصد اڑانا دھول کا

کھیلنا اسکول میں ہر دم وہ پڑھنے کی بجائے
مار استانی کی کھانا اور کرنا ہائے ہائے

کھانس کر کرنا گلے کو صاف، پھر گاتا وہ گیت
کھیل وہ دھائی مچونے کا وہ اس کی ہار جیت
بولنا ہر بات پر وہ جھوٹ، پھر کھانا قسم
شور و غل کرنا زیادہ اور کرنا کام کم

یاد آجاتی ہے جب گزرے ہوئے لمحات کی
بات اک اک خون کے آنسو رلاتی ہے مجھے

اک زمانہ ہوگیا بچپن کو گو بیتے ہوئے
یاد لیکن آج بھی اس کی ستاتی ہے مجھے

Huzoor Sahaswani
Raz Manzil, Choudhry Mohalla
P-O City: Sahaswan - 243638 Budaun, (UP)

■ انور بارہ بنکوی

باغ و بہار گنگا

لاتی کہاں کہاں سے امرت کی دھار گنگا — تشنہ لبوں کو دیتی قطرے ہزار گنگا
آب حیات سے کم پانی ترا نہیں ہے — کہتے جہان والے جیون سدھار گنگا
تیرے قدم کو چومے شام و سحر ہمالہ — سیراب کھیت کرنا تجھ پر ہے بار گنگا
گنگوتری کی حرمت تجھ سے ہے شان اس کی — ہر دھار کی قطاریں ہوتی نثار گنگا
دریا رواں دواں ہیں چھوٹے بڑے سبھی تو — تیری ادا پہ واری ہوتی ہے دھار گنگا
بھگتی کے واسطے ہی بھگتوں کو تو جگائے — پوجی بھی تو ہی جاتی ہاں بے شمار گنگا
درشن کریں ہمیشہ ہندوستاں کے باسی — رکھتے ہیں انس تجھ سے اے بردبار گنگا
ہوتی چہل پہل ہے تیرے ہی ساحلوں پر — لگتے ہیں سال بھر ہی میلے ہزار گنگا
مشہور ہیں تجھی سے تیرتھ کی سب دشائیں — دار و مدار تجھ پر تو ہی نکھار گنگا
پانی تمام دریا بھرتے ہیں تیرے آگے — جمنا بھی کم نہیں ہے اے جاں نثار گنگا

بس آرزو ستائے ہر بار تجھ کو انور
جل میں ترے نہائے جے جے پکار گنگا

■

Anwar Barabankwi
11/1H/7, Harshi Street
Kolkata 700009 (West Bengal)

اشرف علی

عظیم باکسر محمد علی کلے

عزیز دوستو! اگر ہم آپ سے سوال کریں کہ عالمی شہرت یافتہ باکسر محمد علی کلے کا نام آپ نے کب سنا تھا تو شاید آپ میں سے زیادہ تر لوگ اس کا صحیح جواب نہ دے سکیں۔ عین ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ کہہ دیں گے کہ ہم انھیں اس لیے بھی نہیں جانتے کہ انھوں نے ہمارے سامنے کوئی باکسنگ مقابلہ نہیں جیتا۔ آپ کے اس جواب سے بڑی حد تک اتفاق کی گنجائش ہے کیونکہ موجودہ

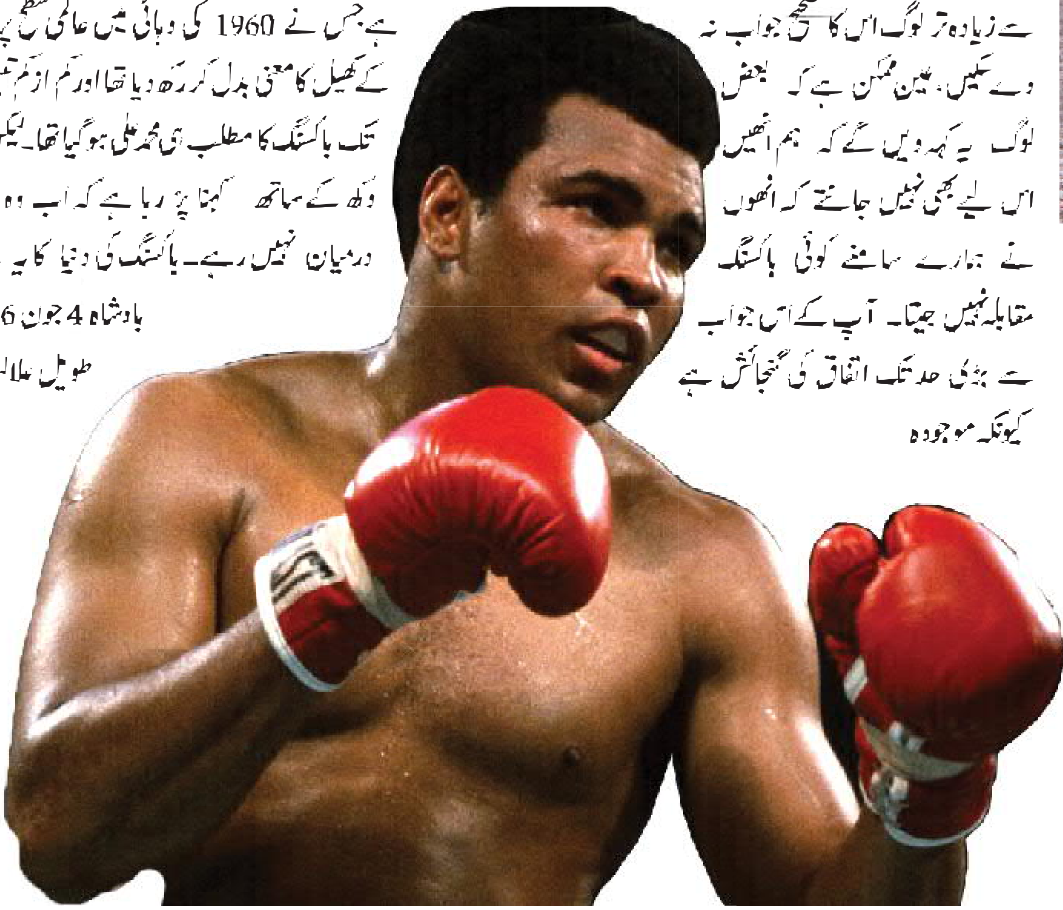

دنیا کا یہی دستور بن گیا ہے کہ وہی یاد رہتا ہے جو سرخیوں میں رہتا ہے لیکن جب یہی سوال آپ اپنے گھر، خاندان اور محلے کے ادھیڑ عمر کے کسی ایسے شخص اپنے ابو، چچا، ماموں، خالو سے کریں گے جو کھیلوں میں دلچسپی رکھتے ہوں تو وہ آپ کا سوال سن کر کچھ لمحے کے لیے ماضی کی یادوں میں کھو جائیں گے۔ آپ کو محمد علی کی حصول یابیوں اور ان کے عظیم کارنامے سنانا شروع کر دیں گے۔ یقیناً محمد علی کلے ایک ایسی ہی ہستی کا نام ہے جس نے 1960 کی دہائی میں عالمی سطح پر باکسنگ کے کھیل کا معنی بدل کر رکھ دیا تھا اور کم از کم تیس برس تک باکسنگ کا مطلب ہی محمد علی ہو گیا تھا۔ لیکن بہت دکھ کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے۔ باکسنگ کی دنیا کا یہ بے تاج بادشاہ 4 جون 2016 کو طویل علالت کے بعد 74 برس کی عمر میں امریکہ میں ایریزونا کے فینکس واقع اسپتال میں پارکنسن کی بیماری سے لڑتے ہوئے انتقال کر گیا۔

دوستو! آیئے سب سے پہلے ان کی ابتدائی زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہیں، محمد علی کلے 17 جنوری 1942 کو امریکہ کے لوئس ویل کے مقام پر ایک غریب سیاہ فام عیسائی خاندان

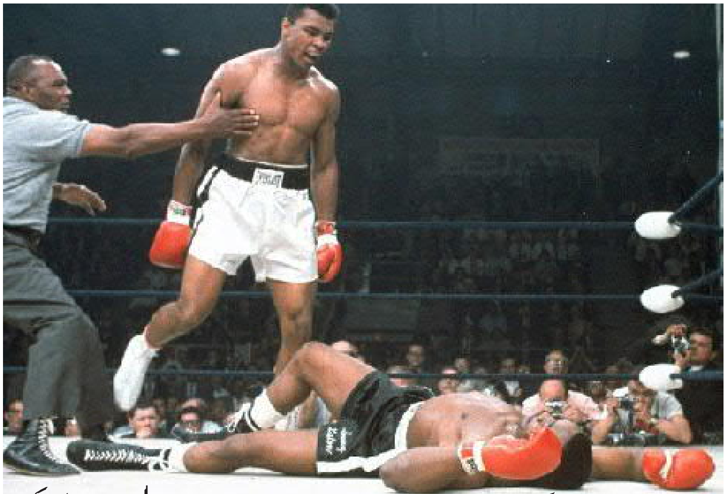

میں پیدا ہوئے والد کیسیئس مارسیلس کلیسینٹر نے اپنے نام پر ہی ان کا نام کیسیئس جونیئر رکھا، بعد میں انھوں نے 1964 میں اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام محمد علی رکھ لیا لیکن اپنے سابقہ نام کا آخری جز 'کلے' پھر بھی برقرار رکھا اس طرح وہ 'محمد علی کلے' کہلائے۔ انھوں نے 12 سال کی عمر سے ہی ایک مقامی جمنازیم میں باکسنگ شروع کر دی تھی۔ 29 اکتوبر 1960 کو آبائی قصبے لوئس ویل میں پہلا مقابلہ جیتا تھا۔ جیت کا یہ سلسلہ 1963 تک جاری رہا اس درمیان محمد علی نے 19 مقابلے اپنے نام کیے ایک میں بھی شکست نہیں ملی۔ ان مقابلوں میں سے 15 میں انھوں نے مدمقابل کو ناک آؤٹ کیا۔ انھوں نے تین مرتبہ باکسنگ کی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز "ورلڈ ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپیئن شپ" جیتا۔ وہ تین مرتبہ 1964، 1967 اور 1978 میں ورلڈ ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپیئن شپ جیتنے والے پہلے مکے باز تھے۔ محمد علی کی چار بیویاں اور نو بچے ہیں، ان کی بیٹی لیلیٰ علی اپنے والد کی طرح بہترین مکے باز ہے۔

ہم آپ کو بتا دیں کہ وہ انتہائی پرعزم، جانباز اور بے خوف شخصیت کے مالک تھے، محمد علی کے بارے میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ وہ جتنے جانباز اور بے خوف باکسر تھے اتنے ہی نرم دل انسان بھی تھے۔ محمد علی نے امریکہ میں گوروں اور سیاہ فاموں کے درمیان جاری نسلی امتیاز کی آخری سانس تک مخالفت کی۔ ایک بار انہیں خود بھی نسلی امتیاز کا شکار ہونا پڑا ایک روز جب وہ ایک ہوٹل میں کچھ کھانے بیٹھے تھے کہ ایک گورے ویٹر نے سیاہ فام ہونے کی وجہ سے ان کا آرڈر لینے سے انکار کر دیا علی کو یہ بات اس قدر بری لگی کہ انھوں نسلی امتیاز کے رویے کی شدید مخالفت کرتے ہوئے اپنا گولڈ میڈل دریائے اوہائیو میں پھینک دیا۔ یہی نہیں سیاہ فاموں کے حق میں آواز اٹھانے والے محمد علی نے 1967 میں ویت نام کے خلاف ہونے والی جنگ میں امریکی فوج میں حصہ لینے سے بھی انکار کر دیا تھا امریکی سپریم کورٹ نے ان پر پابندی لگا دی تھی۔ تاہم بعد میں کورٹ نے اپنا فیصلہ بدلتے ہوئے ان پر سے پابندی ہٹا دی تھی۔ انھیں پہلی بار عالمی شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب 1960 میں روم اولمپک میں سونے کا تمغہ جیتا۔

تیزی اور طاقت محمد علی کی نمایاں پہچان تھی اور ان کی یہی خوبی ان کو دوسرے کھلاڑیوں سے الگ کرتی تھی۔ بات فروری 1964 کی ہے محمد علی نے اس وقت کے عالمی چیمپئن سنی لسٹن کو کھلا چیلنج کیا اور انھیں ایک مقابلے کے چھٹے راؤنڈ میں شکست دے دی۔ وہ اپنے مقابل کھلاڑی پر پوری طرح تیزی اور طاقت سے وار کرتے تھے اس وجہ سے خطرناک سے خطرناک باکسر بھی ان کے سامنے نہیں ٹک پاتا تھا۔ انھوں نے لسٹن کو دو بار بری طرح شکست دی، مشہور باکسر جوئے فریزر

کے ساتھ ان کا مقابلہ 'فائٹ آف دی سینچری' کے نام سے مشہور ہوا۔ فریزر کا کہنا تھا کہ وہ ایک مکے میں دیوار گرا سکتا تھا لیکن علی کے مکے میں ان سے زیادہ دم تھا۔ محمد علی کلے کی سب سے بڑی خاصیت یہ تھی کہ انہیں اپنے غصے پر قابو پانا بخوبی آتا تھا اور غصے میں وہ کبھی اپنا دماغی توازن نہیں کھوتے تھے۔

کیریر کے قیمتی دن

1954 میں انھوں نے مکے بازی شروع کی تھی۔ انھوں نے اپنے کیریئر میں 61 مقابلے لڑے ہیں ان میں 56 میں کامیابی حاصل کی صرف پانچ مقابلے میں ان کی ہار ہوئی۔ انھوں نے اپنے حریف کو 37 مقابلوں میں ناک آؤٹ کیا ہے۔ دنیا انھیں 'محمد دی گریٹیسٹ' کے نام سے بھی جانتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سن 1990 میں دنیا کے معروف نشریاتی ادارے بی بی سی نے عوامی مقبولیت کی بنیاد پر محمد علی کو اسپورٹس پرسنالٹی آف دی سنچوری کا ایوارڈ دیا تھا۔

مکے بازی کی دنیا کا یہ بے تاج بادشاہ گزشتہ بتیس سال سے پارکنسن (ہاتھ کانپنے کی بیماری) نام کی بیماری سے لڑ رہا تھا اور آخرکار چار جون کو وہ ہار گیا، وہ عظیم نہیں عظیم تر تھے۔ بیماری کی وجہ سے باکسر کے طور پر محمد علی کا کیریئر کا گراف 1984 سے گرنا شروع ہوگیا تھا۔

ابھی حال ہی میں منعقدہ ڈبلیو بی او ایشیا پیسفک سوپر مڈل ویٹ چیمپئن شپ جیتنے والے ہندوستان کے اسٹار باکسر وجیندر سنگھ نے اپنی جیت کو محمد علی کلے کے نام کردیا۔ انھوں نے سابق ڈبلیو بی سی یوروپی چیمپئن آسٹریلیا کے کیری ہوپ کو ہرا کر ایشیا پیسفک مڈل ویٹ کا خطاب جیتا۔

دوستو! آپ کے لیے ہم نے متذکرہ بالا سطور میں محمد علی کی زندگی کا مکمل احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن عین ممکن ہے کچھ باتیں رہ گئی ہوں۔ اسی مناسبت سے ان کی زندگی کے کچھ اہم پہلو یہاں پیش ہیں:

1. محمد علی کے باکسر بننے کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے۔ علی جب 12 سال کے تھے تو ان کے والد نے انھیں ایک سائیکل گفٹ کی تھی۔ لیکن کسی نے علی کی سائیکل چرا لی۔ اس بات سے ناراض علی نے ایک پولیس والے سے کہا کہ وہ اس چور کی دھنائی کرنا چاہتے ہیں۔ اس پولیس والے کا نام جو مارٹن تھا، جو خود ایک باکسنگ ٹرینر تھا، اس نے نوجوان علی کو اپنے انڈر میں ٹریننگ دینا شروع کر دی۔
2. بچپن میں محمد علی دوسرے بچوں کی طرح اسکول بس سے اسکول نہ جا کر بس ریس لگا کر اسکول جایا کرتے تھے۔
3. محمد علی کو ہوائی جہاز میں بیٹھنے اور اونچی پرواز سے بہت ڈر لگتا تھا۔ جب وہ 1960 کے اولمپکس میں روم جانے کے لیے ہوائی جہاز میں بیٹھے تو انھوں نے ائیر ہوسٹس سے پیراشوٹ پہنانے کی درخواست کی تھی۔

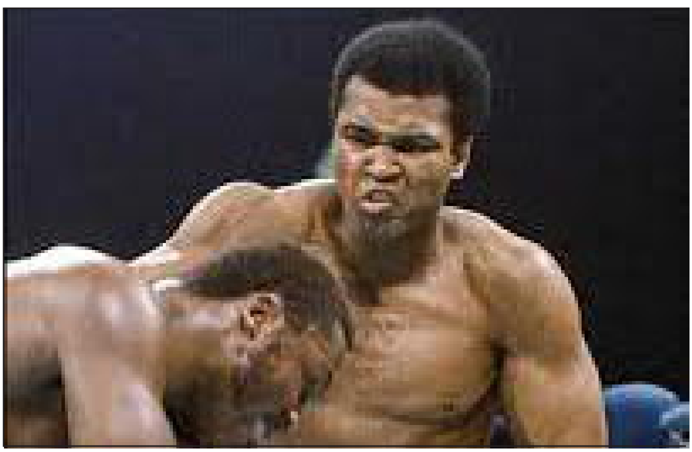

4. بہت کم لوگوں کو پتہ ہوگا کہ محمد علی ایک بہترین باکسر ہونے کے ساتھ ساتھ گلوکار، ایکٹر اور شاعر بھی تھے۔ سنی لسٹن کو شکست دے کر ورلڈ ہیوی ویٹ چیمپئن بننے سے محض چھ ماہ قبل انہوں نے اپنا البم ’آئی ایم دی گریٹیسٹ‘ ریلیز کیا تھا۔

5. آٹوگراف کے لئے کبھی منع نہیں کیا، محمد علی جب چھوٹے تھے تو انھوں نے اس وقت کے مشہور باکسر شوگر رے ربسن سے آٹوگراف مانگا تھا لیکن ربسن نے انہیں جھڑکتے ہوئے کہا، 'میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اس بات سے علی کو اتنی تکلیف پہنچی کہ اس کے بعد انہوں نے کبھی بھی اپنے کسی مداح کو آٹوگراف دینے سے انکار نہیں کیا۔

6. خود پر پتھر پھنکوا کر پریکٹس کرنے کا محمد علی کا طریقہ بہت نرالا تھا۔ وہ اپنے بھائی سے خود پر پتھر پھینکنے کے لیے کہتے اور ان پتھروں سے خود کو بچا کر پریکٹس کرتے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی روڈی نے بعد میں کہا تھا، میری طرف سے پھینکے پتھر کبھی ان کو چھو بھی نہ پائے۔

7. امریکہ میں 60-70 کی دہائی میں نسلی امتیاز کا کس قدر غلبہ تھا اس کا اندازہ محمد علی کے ساتھ ہوئے ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ علی 1960 میں روم اولمپکس میں گولڈ میڈل جیت کر جب امریکہ میں ایک ریستوران میں دوپہر کا کھانا کھانے گئے تو ویٹر نے ایک حبشی کا آرڈر لینے سے انکار کر دیا۔ اس واقعے سے دلبرداشتہ علی نے باہر آ کر غصے میں اپنا گولڈ میڈل یہ کہتے ہوئے پھینک دیا کہ جس ملک میں اس قدر نسلی امتیاز ہو، وہاں کا تمغہ مجھے نہیں چاہیے۔

8. 1981 میں محمد علی نے ایک آدمی کو مرنے سے بچایا تھا۔ دراصل بلڈنگ سے کود کر خودکشی کی کوشش کرنے والے ایک نوجوان کو جب پولیس اہلکار سمجھانے میں ناکام ہو گئے تو محمد علی نے یہ کام کر دکھایا۔ علی نے اس آدمی کے پاس والی کھڑکی سے اس سے آدھے گھنٹے تک بات کی اور اسے یہ بتانے میں کامیاب رہے کہ اس کی ذاتی زندگی میں چل رہی پریشانیاں ٹھیک ہو جائیں گی۔

9. صدام حسین نے 1990 میں کویت پر حملہ کر کے 2000 سے زیادہ غیر ملکیوں کو یرغمال بنا لیا تھا۔ یرغمالیوں کو چھڑانے کے لئے محمد علی صدام سے بات چیت کرنے بغداد پہنچ گئے۔ علی کے ساتھ 50 منٹ کی بات چیت کے بعد صدام نے یرغمال بنائے گئے 15 امریکیوں کو چھوڑ دیا تھا۔

10. 1967 میں امریکہ اور ویت نام کی جنگ کی مخالفت کرنے پر ان کو بھاری قیمت چکانی پڑی۔ علی نے نہ صرف ویتنام پر امریکی حملے کی مخالفت کی بلکہ جنگ کے لیے امریکی فوج کا حصہ بننے سے بھی انکار کر دیا۔ جس کے بعد علی کے سارے ورلڈ چیمپئن شپ ٹائٹل چھین لیے گئے اور ان پر پابندی لگا دی گئی۔ 1971 میں امریکی سپریم کورٹ نے یہ پابندی ہٹا دی، اس پابندی کی وجہ سے علی کو اپنے کیریئر کے 4 سال گنوانے پڑے۔

11. بہت کم لوگوں کو پتہ ہوگا کہ محمد علی کی بیٹی لیلیٰ علی بھی بہترین باکسر رہی ہیں۔ علی کے نو بچوں میں سب سے چھوٹی لیلی علی نے 24 مقابلے لڑے اور تمام میں کامیابی حاصل کی۔ وہ کبھی نہ ہارنے والی باکسر کے طور پر ریٹائر ہوئیں۔

■

Ashraf Ali
D-314, Abul Fazal Enclave
Okhla, New Delhi - 110025

مترجم: انیس الدین ملک

الکیمیا تین سو سال کے وقفہ کے بعد

الکیمیاء کو قرونِ وسطیٰ کی کیمیا کہا گیا ہے۔ الکیمیا نے اپنی تمام تر کوششیں بنیادی دھاتوں جیسے پارا اور سیسہ کو سونا اور چاندی میں تبدیل کرنے کی طرف مرکوز کیں۔ سینکڑوں سالوں سے یہ یقین تھا کہ زمین میں موجود سونا اور چاندی ہزاروں سال میں چھار دھاتوں کی رفتہ رفتہ تبدیلی سے بنا ہے۔ الکیمیا نے اس قدرتی عمل کو تجربہ گاہ میں مستعجل کرنے کی کوشش کی۔

ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی تھی جو اپنے سبجیکٹ کے سنجیدہ طالب علم تھے اور انسان کی جو علم کیمیا کے بارے میں معلومات ہیں ان میں ان کا بیش قیمت Contributions تھا۔ ان میں سے کچھ نے آبِ حیات پانے کی کوشش کی۔ یہ ایک آفاقی دوا ہے جو تمام بیماریوں کو شفا بخشے گی اور جو اسے کھالیں گے انھیں ایک طویل زندگی میسر ہوگی۔

عملی طور سے تقریباً تمام الکیمیا نے جو تجربات کیے اس مین اس شے کی تلاش تھی جو بنیادی دھات میں ڈالنے سے سونا پیدا کردے۔ اس شے کا نام فلاسفر کا پتھر رکھا گیا اور اس طریقے کا نام کیمیا سازی رکھا گیا۔

تین کہانیاں جو تقریباً تین سو سال کے وقفے سے تعلق رکھتی ہیں بہت سی کہانیوں میں سے یہ دکھلانے کے لیے چنی گئی ہیں کہ بنیادی دھاتوں سے کیمیا سازی کے ذریعہ سونے میں تبدیلی کا عمل مسلسل یقین کی شکل میں قائم رہا اور آج بھی کچھ

لوگ اس پر یقین کرتے ہیں پہلی کہانی اس حادثہ سے تعلق رکھتی ہے جو 1329 میں وقوع ہوا اور دوسری ایک تجربہ کے متعلق ہے جو تقریباً تین سو سال بعد کیا گیا۔ آخیر میں ایک بیان ہے جس کی بیشتر تفصیلات قومی اخباروں سے اخذ کی گئی ہیں۔ یہ ایک کیمیا داں پر کیے گئے مقدمہ سے تعلق رکھتا ہے جو 1929 میں گرفتار ہوا۔ اس تاریخ کو جو پہلے واقعہ سے (جس کا اس باب میں ذکر ہے) ٹھیک 600 سال بعد ظہور میں آیا۔

1329 میں انگلینڈ میں ایڈورڈ سوئم کی حکومت تھی جس کو اپنے زمانے کے اور بادشاہوں کی طرح ہمیشہ روپے کی قلت رہتی تھی۔ یہ جان کر کہ دولت حاصل کرنے کا کوئی معجزانہ آسان طریقہ ہے اس نے مندرجہ ذیل حکم جاری کیا:

”ہمیں اپنے معتبر آدمیوں سے یہ بات یقین کے ساتھ پتہ چلی ہے کہ جان روز اور ولیم ڈی ڈلبی الکیمیا سے چاندی بنانے کا طریقہ جانتے ہیں اور انھوں نے اسے گذشتہ دور میں بنایا ہے اوراب بھی بناتے ہیں۔ اس خیال سے کہ ان آدمیوں کے ذریعہ اس بیش قیمت دھات کے بنانے سے ہمیں اور ہماری سلطنت کو فائدہ ہوگا۔ ہم نے اپنے پیادے ولیم کیری کو اختیار دیا ہے کہ وہ متذکرہ جان اور ولیم کو جہاں کہیں بھی پائیں دونوں کو اپنے سازوسامان کے ساتھ بحفاظت اور یقینی طور پر یہاں لے کر آئیں۔“

بادشاہ کے محکمہ خزانہ کی یہ بدقسمتی کہ ان کا پیادہ ولیم نہ تو اپنے ہم نام کو اور نہ ہی جان کو پاسکا اور اس کے بعد آگے ان کے بارے میں کچھ اور نہیں سنا جا سکا۔

جان کریم کے مطابق جو "Abbot of Westminster and Brother of Benedictine Order" تھا، اسی بادشاہ کو ایک اور مشہور الکیمیا داں ریمنڈ لل سے مایوسی ہوئی۔

لل جو ایک ہسپانوی امیر تھا، "1325" میں پیدا ہوا اور مشہور شہرت یافتہ فرانسسکین راہب بنا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کے پاس ایک فلاسفر پتھر ہے۔ پھلی کے برابر بیش قیمت دوا کی ایک خوراک کے استعمال سے وہ پارے کو سونے میں تبدیل کرسکتا ہے۔ اور اس طرح کا سونا کان سے نکلے سونے سے زیادہ خالص تھا۔

اس الکیمیا داں کی اتنی عزت و وقعت تھی کہ بہت سارے اس پر یقین رکھتے تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے بہت سارے ملکوں کا دورہ کیا اور اس کے انگلستان کے دورے کا حال کریم نے The Testament میں بیان کیا ہے۔

”میں نے اپنے آقا کا بادشاہ سلامت ایڈورڈ سے تعارف کرایا اور انھوں نے بڑی مہربانی اور عزت کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اس نے بادشاہ کو ہمیشہ رہنے والی دولت حاصل کرنے کا نسخہ دینے کا وعدہ کیا۔ اس شرط پر کہ بادشاہ خود ذاتی طور پر ترکوں کے خلاف صلیبی جنگ کرے کیونکہ وہ خدا کے دشمن ہیں اور آج کے بعد وہ دوسری عیسائی قوموں سے جنگ کرنے سے باز رہے۔ لیکن افسوس اس نے یہ وعدہ بھی پورا نہیں کیا کیونکہ بادشاہ نے اس قرارنامے کے اس حصے کی صریحاً خلاف ورزی کی اور میرے پیارے آقا کو رنج اور

افسوس کے سمندر میں غرق، ملک چھوڑنے پر مجبور کیا۔"

لل کے اس ملک (انگلستان) میں مشہور دورے کی کئی اور حکایتیں ہیں۔ کچھ لوگوں کے خیال میں وہ ایڈورڈ سوئم کے دور میں آیا اور کچھ نے تاریخ 1312 لکھی ہے۔ جب ایڈورڈ دوئم تخت پر تھا۔ کچھ اور دوسرے لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ وہ آیا بھی تھا یا نہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے دورانِ قیام وہ ویسٹ منسٹر کے راہبوں کے کمرے Monts Cell یا Tower of London میں رکھا گیا۔ بہت سی روداد سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ لوہے، چاندی Quicsilver اور سیسے سے چھ ملین پونڈ قیمت کا سونا بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ ان میں سے کچھ سونا سنہری سکہ بنانے کے کام میں لایا گیا جن کا ہر دلعزیز نام ریمنڈ نوبل رکھا گیا۔ (دستور کے مطابق ان میں سے کچھ کئی صدی تک پائے جاتے تھے) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب بادشاہ نے اپنا وعدہ توڑ دیا اور عیسائیوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی تو ریمنڈ ملک سے متنفر ہوکر بھاگ گیا۔ اس کے بھاگنے کے کئی سال بعد بھی اس کے کمرے کے فرش پر سونے کی خاک ملی۔

جان اور ولیم کو گرفتار کرنے کی کوشش کا واقعہ معتبر ہے کیونکہ ان کے پکڑ لیے جانے کے احکامات 1329 کے Patent Rolls میں درج ہیں۔ لیکن ابٹ کریمر کے ذریعہ ریمنڈ لل کی کہانی کو اب غلط کہا جاتا ہے۔ یہ بات معلوم ہوئی کہ جان کریمر نام کا کوئی بھی شخص دونوں ایڈورڈ کے دورِ حکومت میں Abbot of Westminster نہیں تھا اور اس لیے کریمر کا Testament, جس میں یہ کہانی بیان کی گئی تھی فرضی خیال کی جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی کچھ مصنفین کا خیال ہے کہ لل نے انگلستان کا دورہ کیا اور سکے بنانے میں مدد کی۔ یہ خیال ہے کہ ایڈورڈ نے لل کے مشورے پر عمل کرکے سونا حاصل کیا۔ لل نے اون پر ٹیکس لگانے کا مشورہ دیا تھا جس سے شاہی خزانے میں ہزاروں پونڈ آئے اور فلاسفر پتھر استعمال کرنے پر نہیں۔

تین سو سال سے کچھ زائد عرصہ کے بعد 27 دسمبر 1666 کو ایک اجنبی آرٹسٹ جان فریڈرک ہیلویٹیس سے جو ہیگ میں پرنس آف اورنج کا طبیب تھا ملنے آیا۔ پرنس آف اورنج بعد میں انگلستان کا ولیم سوم ہوا۔

اس دورہ اور اس کے نتائج کے احوال ایک کتاب میں اس واقعہ کے ظہور میں آنے کے فوراً بعد ہی لکھے گئے۔ جس کا موضوع بہت توضیحی ہے۔ سنہری بچھڑا: قدرت کا سب سے کمیاب معجزہ دھاتوں کی کیمیا سازی۔ یعنی ہیگ میں کس طرح ایک سیسے کا بڑا ٹکڑا ایک لمحے میں پتھر کا ایک چھوٹا سا ذرہ ڈالنے سے سونے میں تبدیل ہوگیا۔

مصنف نے بیان کیا کہ ابتدائی گفتگو کے بعد الیاس نے اپنی جیب سے ایک ہاتھی دانت کا صندوقچہ نکالا جس میں شیشے

کی مانند تین ٹکڑے تھے، رنگ گندھک جیسا تھا اور جسامت اخروٹ کے برابر۔ اس نے اسے فلاسفر اسٹون کے ٹکڑے بتائے۔

الیاس نے ہیلوٹیسیس کو اس کی اجازت دی کہ وہ ایک ٹکڑے کو ہاتھ میں لے کر اس کا معائنہ کرے۔ اس کے بعد ہیلوٹیسیس نے اس کو پانچ بڑے سونے کے ٹکڑے دکھائے جس کے بارے میں اس نے دعویٰ کیا کہ یہ سونے کے ہیں اور یہ فلاسفر اسٹون سے بنائے گئے ہیں۔ اس کے بعد وہ واپسی کا وعدہ کرکے چلا گیا۔

کئی ہفتے بعد الیاس واپس آیا اور ہیلوٹیسیس کو ایک چھوٹا سا ذرّہ جو تلی کے بیج کے برابر تھا، دیا اور کہنے لگا ”دنیا کا سب سے بڑا خزانہ لے لو جسے کم ہی جلیل القدر بادشاہ اور شہزادے دیکھ سکے ہیں۔“ اس پر ہیلوٹیسیس نے جواب دیا کہ ”یہ ٹکڑا اتنا مختصر سا ہے کہ شاید ہی کسی کام کا ہو۔“ اس پر الیاس نے اس ٹکڑے کو لے کر اپنے انگوٹھے کے ناخون سے دو ٹکڑے کردیئے اور ایک ٹکڑے کو پھینکا جو آگ میں تبدیل ہوگیا اور دوسرے کو نیلے کاغذ میں باندھ دیا۔ اسے ہیلوٹیسیس کو یہ کہتے ہوئے دیا ”یہ تیرے لیے کافی ہے۔“ ہیلوٹیسیس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ اس سے اگلے دن تجربہ کرنا چاہے گا اگر الیاس اسے ضروری ہدایتیں دے دیں۔

اس کو بتایا گیا کہ وہ پتھر کو پہلے موم میں باندھ لے اور تب اسے پگھلتے ہوئے سیسے میں ڈال دے۔ موم پتھر کو سیسے کی Fumes سے بچائے گا جب تک کہ وہ پگھلے سیسے میں کافی اندر تک پیوست نہیں ہو جائے گا۔ الیاس دوسرے دن آنے کا وعدہ کرکے چلا گیا۔ دوسرا دن آیا لیکن الیاس نہیں آیا۔ اس لیے ہیلوٹیسیس نے اپنی بیوی کی مدد سے خود تجربہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس نے آدھ اونس سیسے کو ایک پیالی میں گرم کیا اور اس کی بیوی نے اس بیش قیمت پتھر کو موم میں لپیٹا۔ جب سیسہ پگھل گیا تو اس نے لپٹا ہوا پتھر اس میں ڈال دیا۔ فوراً ہی ایک سی سی کی آواز آئی اور بلبلے اٹھنے لگے۔ ایک چوتھائی گھنٹہ بعد ان کی خوشی کی انتہا نہیں رہی جب انھوں نے دیکھا کہ پورا سیسہ سونے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ خود ہیلوٹیسیس کے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

”میں اور میرے ساتھ سارے لوگ استعجاب میں پڑ گئے اور فوراً سنار کے پاس پہنچے۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے اس کا معائنہ کیا اور اس کے بعد یہ بتایا کہ سونا بہت ہی اعلیٰ درجے کا ہے اور تمام دنیا میں اس سے بہتر سونا ملنا مشکل ہے، اور ایک اونس سونے کے لیے مجھے پچاس فلورنس دینے کی کوشش کی۔

ہیلوٹیسیس کی شہزادہ اور اس کے ساتھی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ خود اس پر یقین کرتا تھا کہ اس نے واقعی سیسے کی کیمیا سازی کی۔ لیکن اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا کہ آرٹسٹ الیاس یا اس نے کوئی اور بھی سونا بنایا اور اس کہانی کو اب جھوٹا سمجھا جاتا ہے۔

اس واقعے کے تین سو سال کے اندر ہمارے علم کیمیا میں بہت ساری ترقیاں ہوئیں۔ حتیٰ کہ بیسویں صدی میں بھی بہت سے ایسے لوگ تھے جو B a s e دھاتوں کے سونے میں تبدیل ہونے میں یقین رکھتے تھے جیسا کہ اگلی کہانی میں واضح کیا گیا ہے۔

1925 میں فرائز ٹاوسنڈ نام کے ایک جرمن نے اعلان کیا کہ وہ ایک Base metal کو سونے میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے کہا کہ یہ ایک تجربہ کے دوران ایک دھماکے سے حاصل ہوا جس کا کیمیا سازی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ٹاوسنڈ نے کہا کہ اس کا نظریہ اس قدیمی یقین پر مبنی ہے کہ زمین کے اندر سونا Based Metals سے قدرتی لیکن بہت

آہستہ عمل کے ذریعے بنتا ہے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ وہ جو کام چند گھنٹوں میں کرسکتا ہے قدرت اسے کئی سو ہزار سال میں مکمل کرتی ہے۔

ٹاوسنڈ میونخ کی ٹکسال کے عہدیداروں سے اس حیرت انگیز خبر کے ساتھ ملا۔ لیکن انھوں نے اسے دھتکار دیا۔ اس کے بعد وہ لوڈون ڈروک سے ملا جو پہلی جنگِ عظیم میں جرمن کے اعلیٰ ترین جرنلوں میں سے ایک تھا اور بعد میں جرمن پارلیمنٹ کا ممبر منتخب ہوا۔

لوڈن ڈروف نے ٹوسنڈ کے دعویٰ کی تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے سوتیلے بیٹے کو اس تحقیق میں مدد دینے کے لیے معمور کیا۔ دو سال بعد اس کے سوتیلے بیٹے نے اعلان کیا کہ اس کے دعویٰ کی تحقیقات کے سلسلہ میں وہ اس بات سے متفق ہوگیا ہے کہ ٹاوسنڈ نے کیمیا سازی کا راز جان لیا ہے۔

اس نے کہا کہ اس نے چالیس پچاس تجربات کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا اور بیشتر تجربات میں ٹاوسنڈ ایک پن کے سرے کے برابر سونا حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

سوتیلے بیٹے نے یہ بھی بتایا کہ ٹاوسنڈ نے سونا بنانے کے طریقے کا کافی حصہ اسے دکھایا لیکن اس کا آخری حصہ اسے نہیں دکھایا۔ اس پر بھی اس نے کہا کہ کچھ تجربات جو ٹاوسنڈ کی غیر موجودگی میں کیے گئے ان سے کافی تسلی بخش نتائج برآمد ہوئے۔ اس نے اپنے آپ کو اچھی طرح مطمئن کرلیا کہ کسی قسم کی دھوکا دہی کا امکان نہیں تھا۔

شروع میں جنرل لینڈروف کافی مشکوک تھا اور مسلسل ان تجربات کو دہرانے کا مطالبہ کرتا رہا۔ لیکن تحقیقات کی رپورٹ ملنے کے بعد وہ اس بات کا حامی ہوگیا کہ ٹاوسنڈ نے برسوں پرانا راز دریافت کرلیا تھا اور اپنے قانونی مشیر کو ہدایت دی کہ اس طریقے کو Exploit کرنے کے لیے ایک کمپنی بنائی جائے۔

کمپنی کے بیشتر ساجھے دار وہ لوگ تھے جو جنرل سے قریبی تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے بہت سے جرمنی کے معزز اور امیر خاندان کے افراد تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ان مشہور لوگوں نے ساجھے صرف زیادہ روپیہ کمانے کے لیے نہیں خریدے بلکہ سرمایہ داری کے نظام کو توڑنے کے لیے تھے کیونکہ اس زمانے میں جرمنی مالی طور سے نہایت دشوار دور سے گزر رہا تھا۔ ان ساجھے داروں کا یہ خیال تھا کہ سونے کی قیمت میں کمپنی سے اس کی معاشی حالت درست ہوجائے گی۔ کمپنی کے منافع میں سے 75 فی صدی جنرل لینڈروف کو ''قومی مقصد'' کے لیے ملتا تھا اور بیس فی صدی ساجھے داروں میں تقسیم ہوتا تھا اور باقی پانچ فی صدی ٹاوسنڈ کو انعام کے طور پر ملتا تھا۔

1928 تک ٹاوسنڈ بیرن توسینڈ کے نام سے ایک شاہی محل میں رہ رہا تھا اور کمپنی کے سرمایہ سے زندگی کا مزا لوٹ رہا تھا لیکن اس کی شاہی طرز زندگی زیادہ دن نہیں چل سکی اور 1929 میں وہ دھوکا دہی کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔

مقدمہ میونخ میں جنوری 1931 میں شروع ہوا۔ پہلے کمپنی بننے کے موجب حالات کے بارے میں شہادت جمع کی گئی۔ اس کے علاوہ اس کہانی میں جو بیان کیا گیا ہے۔ وہ بھی پیش کیا گیا۔ ہیمبرگ ایک کارخانہ دار کا بیان بھی جس نے عدالت میں پن کے سرے کے برابر ایک سونے کا ٹکڑا پیش کیا جس کے بارے میں اس نے کہا کہ ٹاوسنڈ کا دعویٰ ہے کہ اس نے اسے بنایا۔ ایک جرمن بینک کے ڈائریکٹر نے عدالت کو بتایا کہ اس نے سونے کا ٹکڑا جو بطخ کے انڈے کے برابر تھا، دیکھا جسے ٹاوسنڈ کا دعویٰ تھا کہ اس نے بنایا ہے۔ اور ٹاوسنڈ کے تجارتی منیجر نے کہا کہ اس نے صاف طور سے دیکھا کہ ٹاوسنڈ نے ایک تجربے کے دوران 20 گرام سونا بنایا جسے

دیکھ کر اسکی ریڑھ میں ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔

اس بات کی بھی شہادت دی گئی کہ ٹاوسنڈ نے دوسرے لوگوں کو بھی سونے کے ٹکڑے دکھائے اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ اس نے کیمیا سازی سے بنائے ہیں۔ کمپنی کے ایک سابق ملازم نے شہادت دی کہ ایک مرتبہ اس نے تجربہ گاہ کے Compound میں ایک جانچ کی نلی میں سونے کی خاک پائی۔ ٹاوسنڈ نے اس کی تشریح کی کہ سونے کی خاک بنانے کے عمل میں اسے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ سونے کی تھوڑی سی مقدار نئی شے میں ڈالنے سے Transmutation کا عمل زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد کیمیا کے ماہر گواہ شہادت کے لیے پیش کیے گئے سب نے بیان دیا کہ ٹاوسنڈ ان کی موجودگی میں کیے گئے تجربات میں سونا بنانے میں کامیاب رہا۔

ان ماہر گواہوں میں سے ایک ٹکسال کا ڈائریکٹر تھا۔ اس نے عدالت کو بتایا کہ اس نے ٹاوسنڈ کو ایک تجربہ کامیابی کے ساتھ کرتے دیکھا اور وہ پگھلانے والے برتن میں سونے کو دیکھ کر تعجب میں پڑ گیا۔ اس نے آگے کہا کہ وہ اس وقت شبہ میں پڑ گیا جب اسے یاد آیا کہ ٹاوسنڈ کے پاس ایک قلم تھا جس میں سونے کی نب تھی۔ اس لیے اس نے ٹاوسنڈ کے بنائے سونے کا تجزیہ کیا اور پایا کہ اصل میں وہ ایک بھرت تھا جو قلم کی نب بنانے والے استعمال کرتے تھے۔

ٹاوسنڈ کا جرم ثابت ہوگیا اور اسے تین سال اور آٹھ ماہ قید کی سزا ملی۔ اسے مقدمے کے دوران ہوئے خرچ کو بھی ادا کرنے کا حکم ہوا اور اس کی تجربہ گاہ کے سارے سامان جس میں کچھ سونا بھی تھا کو ضبط کرنے کا حکم ہوا۔ عدالت نے کہا کہ اس امر کو دیکھتے ہوئے کہ ایک دھوکے باز نے ایک بہت بڑی رقم حاصل کی، سزا ہلکی معلوم ہوتی ہے۔

لیکن عدالت نے مجرم کو نسبتاً ہلکی سزا دی کیونکہ جو لوگ بہت آسانی سے اپنا پیشہ گنوا رہے تھے وہ اس پر اپنا یقین کل رکھتے تھے کہ وہ ایک آسان طریقے سے Fortune حاصل کرنے والے تھے۔

یہ بتایا گیا کہ کس آسانی سے ٹاوسنڈ نے بہت سے مشہور لوگوں کو دھوکا دیا۔ حالیہ ایٹم کے مطالعے نے یہ ثابت کیا ہے کہ Transmutation ناممکن نہیں ہے۔ 1925 سے بہت سال پہلے جب انسان پہلی بار اپنی محرک طاقتوں کو استعمال کرنے لگا تو سائنسدانوں نے برسوں پہلے کا یہ نظریہ ترک کر دیا کہ ایٹم تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ 1896 میں تابکاری کی دریافت نے علم کی اس نشان دہی کی کہ کچھ عناصر کے ایٹم قدرتی طور سے تبدیل ہو جاتے ہیں اور 1920 میں رورفورڈ قدرتی طور سے حاصل کیے ہوئے ذرّات کے ذریعے ایٹموں کو توڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس لیے ایک بدمعاش جس نے ایک اچھی کہانی کہی ہو اس پر 1896 سے کچھ قبل کے مقابلے 1925 میں زیادہ یقین کیا جائے گا۔

یہ بات دلچسپ اور ناقابلِ تحریر ہے کہ جب ٹاوسنڈ اپنی سزا کاٹ رہا تھا اس وقت کیمبروج کے دو سائنسداں کوک کرونٹ اور والٹن تجربہ گاہ میں مصنوعی طریقے سے ایٹموں کو توڑنے میں کامیاب ہوئے، اور پھر 1932 سے لاتعداد طبعیات داں نے ایٹم کی فطرت اور خصوصیات کا اتنی احتیاط سے مطالعہ کیا کہ آج کل بہت سارے عناصر کے ایٹموں کو توڑا جاسکتا ہے اور اس طرح کچھ عناصر Transmutation روزمرہ کا واقعہ ہوگیا ہے۔ لیکن اب تک الکیمیا کا نصب العین کوئی بھی حاصل نہیں کر سکا۔

ماخذ: (سائنس کی کہانیاں)
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

نسیم احمد

انسانیت

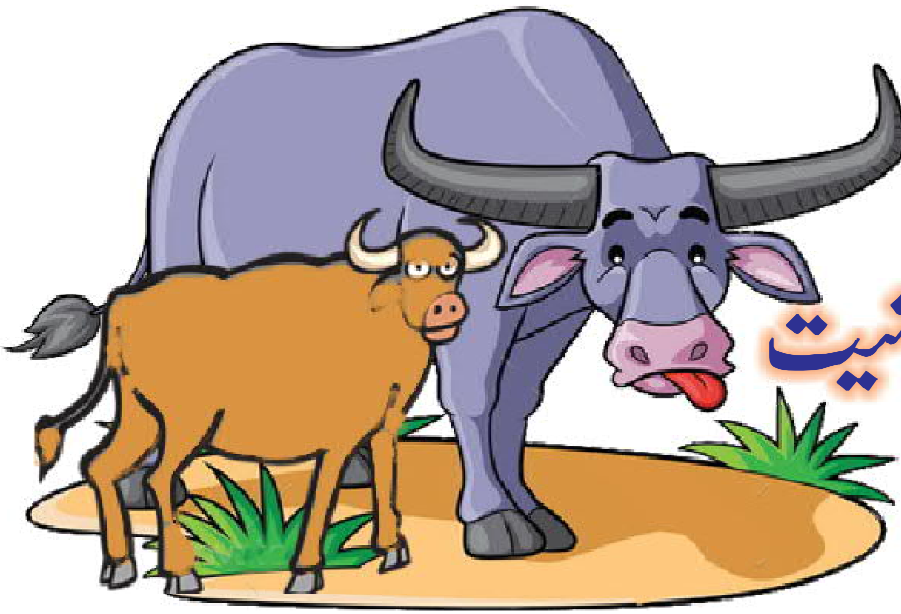

چھنگا کھٹیا پر لیٹا بادلوں کو جاتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کھیت میں لگی مکئی گھوم رہی تھی جس کو پانی کی سخت ضرورت تھی۔ اتنے میں بھوری کی ماں نے اس کے خیالات کا تانا بانا توڑ دیا۔ بھوری بدھیا کو دیکھ کر آوازیں نکال رہی تھی اور ساتھ میں اپنا سر بھی زور زور سے ہلا رہی تھی۔ اس کو بھوک لگ رہی تھی۔ چھپر کے دوسرے کونے میں کھونٹے سے بندھی بدھیا بھی اس کا جواب ماں ماں کر کے دے رہی تھی اور خود کو کھونٹے سے بندھی رسی سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

بدھیا اور بھوری چھنگا کی بھینس اور گائے کی بچھیا کے نام تھے۔ بدھیا ایک بھاری بھرکم بھینس تھی جو بدھ کے روز پیدا ہوئی تھی اسی لیے چھنگا اس کو بدھیا کہا کرتا تھا۔ بھوری گائے کی چھوٹی سے بچھیا تھی۔ اس کا رنگ بھورا تھا اسی لیے چھنگا نے اس کا نام بھوری رکھا تھا۔

چھنگا ایک چھوٹا کسان تھا۔ ویسے تو اس کا نام رام دین تھا لیکن گاؤں میں سب لوگ اس کو چھنگا کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں چھ چھ انگلیاں تھیں۔ چھنگا کے پاس کھیتی کے لیے تھوڑی سی زمین تھی جس کی فصل سے ہونے والی آمدنی ناکافی تھی۔ اس کے پاس ایک بھینس اور ایک گائے بھی تھی۔ وہ ان کا دودھ بیچ کر گھر کا خرچ چلاتا تھا۔ اس کی بھینس بدھیا خوب دودھ دیتی تھی۔

بدھیا اور بھوری کی ماں ایک ٹوٹے چھپر کے نیچے دائیں بائیں بندھی رہتی تھیں۔ لیکن بدھیا کو بھوری کی ماں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ ہمیشہ اس سے ناراض رہتی تھی۔ بدھیا کو بھوری کی ماں کی آزادی بہت اچھی لگتی تھی۔ چھنگا اس کا دودھ دوہ کر اس کا رسہ کھول دیتا تھا اور بھوری کی ماں روز ٹہلتی ہوئی باہر نکل جاتی تھی۔ بدھیا روزانہ بھوری کی ماں کو گاؤں گھومنے کے لیے جاتے دیکھتی اور کڑھا کرتی تھی جبکہ وہ خود ایک کھونٹے سے دن رات بندھی رہتی تھی۔ اس کو جب باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ روز ماں ماں چلا کر چھنگا سے کہا کرتی کہ وہ اس کو بھی کھوٹے سے آزاد کر دے اور باہر جانے دے تاکہ وہ بھی

گاؤں کی کھلی فضا کا مزہ لے سکے لیکن چھنگا اس کے احتجاج سے بے پرواہ اپنے کاموں میں لگا رہتا۔ وہ بھوری کی ماں کو کھونٹے سے کھلنے کے بعد بدھیا کا دودھ نکالتا تھا۔ بدھیا بھوری کی ماں سے زیادہ دودھ دیتی تھی۔ دودھ دوہنے کے بعد چھنگا اس کی کمر تھپتھپاتا اور اس کی ناند میں بھوسے کے ساتھ کچھ آٹا بھی چلا دیتا۔ کبھی کبھی زیادہ دودھ دینے پر چھنگا خوش ہوجاتا اور بدھیا کی ناند میں گڑ بھی ملا دیتا تھا۔ دودھ بیچ کر چھنگا کو اچھے پیسے مل جاتے تھے۔ اس کی زندگی اچھی گزر رہی تھی۔

بدھیا بھوری کی ماں کو گاؤں سے واپس آتا دیکھتی تو اس کو غصہ آتا تھا۔ بھوری کی ماں واپس آکر بھی چارہ تلاش کرتی۔ وہ بدھیا کی ناند پر آکر اس کا چارہ کھانے کی کوشش کرتی تو بدھیا چلا چلا کر اس کو ڈانٹ دیتی تھی۔ وہ کہتی تم باہر سے اتنا سب کچھ کھا کر آئی ہو۔ اتنی دیر گاؤں میں گھوم گھوم کر پتہ نہیں کیا کیا کھایا ہوگا۔ پھر بھی تمھاری بھوک نہیں مٹتی۔ میرے چارے پر بھی منہ مارتی ہو۔ ایک دن اس نے بھوری کی ماں سے پوچھ ہی لیا۔

تمھارا پیٹ ہے یا دوزخ۔ کبھی بھرتا بھی نہیں۔ گاؤں سے خوب مزے مزے کی چیزیں کھا کر آتی ہو پھر بھی یہاں آتے ہی تمھیں چارہ چاہیے۔ بھوری کی ماں صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

چھنگا کچھ دن سے بھوری کی ماں کو بھی باہر جانے نہیں دیتا تھا۔ وہ اس کو بدھیا کی طرح بھی چارہ دیتا اور اس کا خیال رکھتا تھا۔ ایک دن سورج ڈھلنے کے بعد بھوری کی ماں زور زور سے چلانے لگی۔ چھنگا بھاگ کر گیا۔ وہ بھوری کی ماں کا گلا سہلانے لگا۔ کچھ دیر بعد پھر اس کی ماں نے بھوری کو جنم دیا۔ چھنگا بہت خوش ہوا۔ وہ بھوری کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اس کو گود میں لیتا اور اس سے کھیلتا تھا۔ کچھ دن بعد اس نے بھوری کی ماں کو پھر سے باہر بھیجنا شروع کر دیا۔ بھوری کی ماں جب بھی باہر سے آتی تو بھوری دوڑ کر اس کے پاس چلی جاتی اور اس کے نتھنوں میں منہ مار مار کر دودھ پیا کرتی۔ کچھ ہی دن گزرے ہوں گے کہ بھوری کی ماں بیمار ہوگئی۔ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور دن بہ دن کمزور ہونے لگی۔ چھنگا پریشان ہوگیا۔ وہ جانوروں کے ڈاکٹر کو بلا کر لایا۔ گاؤں میں جانوروں کا ایک ہی ڈاکٹر تھا۔ صرف وہی گاؤں میں قمیص پینٹ پہنا کرتا تھا۔ جب اس نے بھوری کی ماں کو دیکھا تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ بہت دیر تک وہ اس کا پیٹ دبا دبا کر دیکھتا رہا۔ کھانے کے بعد اس نے چھنگا کو بتایا کہ اس کی گائے چند دنوں کی مہمان ہے۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ بھوری کی ماں کا پیٹ بہت سخت ہوگیا ہے۔ اس کی آنتوں میں پلاسٹک کی تھیلیاں پھنس گئی ہیں۔ بھوری کی

ماں باہر گاؤں میں جا کر جو کچھ کھایا کرتی تھی اس کے ساتھ پلاسٹک کی تھیلیاں بھی اس کے پیٹ میں چلی جاتی تھیں۔ پلاسٹک تو ہضم نہیں ہوا۔ وہ جمع ہوتی رہی اور آنتوں میں پھنس گئی۔ چھنگا یہ سن کر پریشان ہوگیا۔ اس کو بھوری کی فکر ستانے لگی جو ابھی تک صرف اپنی ماں کا دودھ پی کر ہی گزارہ کرتی تھی۔ دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے بھوری کی ماں چل بسی۔ خبر سن کر سب گاؤں والے چھنگا کے گھر جمع ہوگئے۔ جب ان لوگوں نے چھنگا سے پوچھا کہ بھوری کی ماں کیسے مرگئی تو اس نے ڈاکٹر کی بتائی ہوئی بات سب کو بتائی۔ اس روز سے سب لوگوں نے تہیہ کیا کہ وہ گایوں کو کھلا نہیں چھوڑیں گے اور پلاسٹک کی تھیلیوں کا استعمال بھی نہیں کریں گے۔

چھنگا بیل گاڑی میں لاد کر بھوری کی ماں کی لاش کو گاؤں سے باہر لے گیا۔ جب وہ واپس آ رہا تھا تو اس کو بھوری کی فکر ستانے لگی۔ وہ چھوٹی سی بچھیا اب کیسے جئے گی۔ کیا کھائے گی۔ ایک تو وہ صرف ماں کے دودھ سے ہی زندہ تھی۔ یہ سوچتے سوچتے اس کا گھر آ گیا۔ جیسے ہی چھنگا اپنے گھر میں داخل ہوا، حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ بہت دیر تک دروازے پر کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا۔ بدھیا بھوری کو اپنا دودھ پلا رہی تھی اور اپنی زبان سے چاٹ چاٹ کر اس کو پیار بھی کرتی جاتی تھی۔ چھنگا یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اسے اطمینان ہوگیا۔ چھنگا نے سوچا کہ پیار، محبت اور ہمدردی کا جذبہ تو خدا نے سب کو دیا ہے لیکن انسان نے بخواہ مخواہ اس پر اپنی اجارہ داری قائم کرکے اس کو انسانیت کا نام دے دیا ہے۔

■

Naseem Ahmad
19/402, Vasundhra
Gaziabad - 201012 (UP)

■ **شاد اعظمی ندوی**

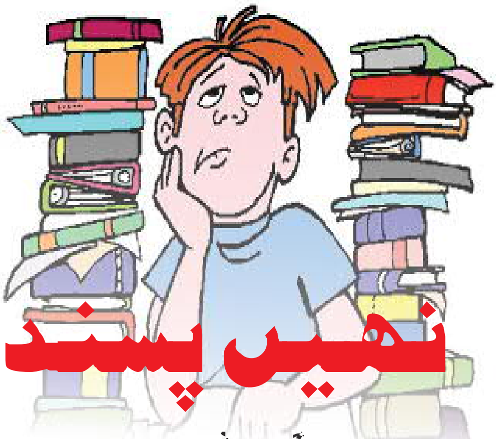

نہیں پسند

اپنا عزیز وقت گنوانا نہیں پسند
کھیلوں سے دل زیادہ لگانا نہیں پسند

رکھتا ہوں اپنی ساری کتابوں کو صاف میں
کاپی میں اُلٹے نقشے بنانا نہیں پسند

موضوعِ گفتگو ہو جہاں آدمی کی ذات
محفل میں ایسے لوگوں کی جانا نہیں پسند

حیرت ہے، یاد کرنا سبق کا بھی ہے محال
استاذ کی پٹائی بھی کھانا نہیں پسند

ہنسنا کسی غریب پہ آیا نہیں مجھے
کمزور کا مذاق اڑانا نہیں پسند

ہر کام شاد وقت پہ کرنا پسند ہے
شرمندگی سے نظریں جھکانا نہیں پسند

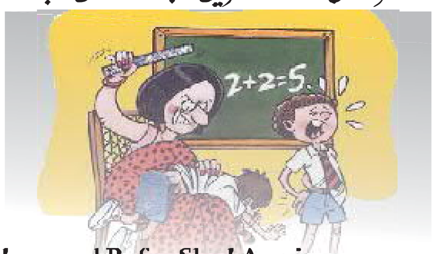

■

Mohammad Rafey Shad Azmi
Editor(Bachon Ka Tohfa), Near Masjid
Phadgudia, Ambari, Azamgarh - 223211 (UP)

منظور پروانہ

مٹھاس رشتے کی

اپنی سہیلی رچنا کی برتھ ڈے پارٹی میں جانے کے لیے تیار ہو کر عالیہ آئینہ میں اپنا جائزہ لے رہی تھی کہ اسے اپنی پشت پر ممی کی شکل نظر آئی۔ اس نے پلٹ کر ممی کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''ممی کیسی لگ رہی ہوں۔''

''بہت اچھی! یہ گلابی فراک تم پر کھل رہی ہے۔ اور آج آپی نے تمہارے بال بھی بہت اچھے سے سنوارے ہیں۔'' ممی نے جواب دیا۔

''ممی! آپی تو ابھی اسکول میں ہیں بال میں نے خود سے بنائے ہیں اب میں بڑی ہوگئی ہوں۔'' عالیہ نے چہک کر جواب دیا۔

''اچھا'' عالیہ کی ممی نے کہا۔

اسی درمیان عالیہ کی دادی کھانستی ہوئی وہاں آگئیں۔ ان کے آتے ہی عالیہ کا چہرہ بگڑنے لگا۔ اسے دادی کی کھانسی کی ٹھک ٹھک سے الرجی تھی۔ عالیہ نے ایک نظر دادی پر ڈالی اور اپنی ممی سے بولی۔ دادی ہر وقت کھانستی ہی رہتی ہیں۔ لائیے گفٹ پیک میں چلوں۔

عالیہ کی بات سن کر عالیہ کی ممی نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا دادی کے ساتھ تمہارا رویہ درست نہیں ہے کوئی دادی کے بارے میں اس طرح بولتا ہے۔ رشتوں کی اہمیت کو سمجھو۔ اب تم بچہ نہیں ہو۔ ماں کی بات سن کر اسکا چہرہ اور بگڑ گیا مگر وہ گفٹ پیک لے کر چلی گئی۔

پارٹی میں رچنا کی سہیلیوں کے علاوہ رشتہ دار بھی موجود تھے۔ تمام لوگ بڑے سے کمرے میں اکھٹے تھے اور اپنے اپنے میں مست نظر آرہے تھے۔ ان تمام لوگوں کے درمیان ایک بزرگ خاتون بھی موجود تھیں۔ جو ایک علاحدہ کرسی پر بیٹھی تھیں اور رچنا بار بار ان کے پاس جا کر ان کی خیریت پوچھ رہی تھی۔

جب سب لوگ اس میز کے چاروں طرف اکٹھا ہو گئے جس پر کیک رکھا تھا تو رچنا اور اس کی والدہ نے ان بزرگ خاتون سے بھی میز کے قریب چلنے کو کہا مگر انھوں نے معذرت کر لی۔ عالیہ نے رچنا سے ان خاتون کے سلسلے میں پوچھا تو رچنا نے بتایا کہ وہ اس کی دادی ہیں۔

جیسے ہی رچنا نے کیک کاٹنے کے لیے چھری اٹھائی۔

دادی پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ رچنا چھری رکھ کر فوراً پانی لے کر دادی کی طرف بھاگی اور اسکی والدہ بھی تیزی کے ساتھ وہاں پہونچ کر خاتون کی پیٹھ سہلانے لگیں۔ تھوڑی دیر میں دادی نارمل ہوگئیں۔ رچنا نے پھر سے دادی سے اجازت لے کر کیک کاٹا اور سب سے پہلے دادی کو کھلایا۔

عالیہ کو یہ سب بہت عجیب لگا۔ اس نے رچنا سے پوچھا تمہیں دادی کی کھانسی سے کوئی پرابلم نہیں۔

پرابلم.... کیسی پرابلم....... نزلہ کھانسی تو ہم سب کو بھی ہوتا ہے۔ تو پھر کھانسی سے پرابلم کیسی۔ دادی کی عمر زیادہ ہے اس لیے ان کے ساتھ یہ سب تو ہوگا ہی۔ ذرا سوچو کل جب میری ماں بوڑھی ہو جائیں گی تو کیا ان کی کھانسی سے ہمیں پرابلم ہوگی....... نہیں..... نا....... تو پھر پاپا کی ممی کی کھانسی سے کیسی پریشانی۔؟

رچنا کی بات سن کر عالیہ ایک دم چونک پڑی۔ اسے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی اور اپنے رویہ پر شرمندگی بھی۔

وہ رچنا سے اجازت لے کر فوراً گھر کے لیے روانہ ہوگئی۔ گھر پہونچ کر وہ سیدھے دادی کے کمرے میں گئی اور دادی کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دادی نے گھبرا کر اسے اٹھاتے ہوئے محبت سے پوچھا۔ ارے بیٹا کیا ہوا۔ عالیہ نے روتے ہوئے کہا۔ دادی مجھے معاف کر دیجئے۔ آج تک میں اندھیرے میں تھی میرا رویہ آپ کیساتھ بہت خراب تھا۔ پلیز دادی معاف کر دیجئے۔

کوئی بات نہیں۔ بچوں سے غلطیاں تو ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کہتے ہوئے دادی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ سینے پر زور پڑا تو دادی کو کھانسی آ گئی۔ مگر اب عالیہ بدل چکی تھی اسے دادی کی کھانسی سے پرابلم نہیں ہوئی۔ بلکہ اس نے دادی کی پیٹھ سہلاتے ہوئے اپنی ممی کو ایک گلاس پانی لانے کے لیے آواز دی۔ عالیہ کی ممی جو کمرے کے باہر کھڑی ساری باتیں سن رہی تھی۔ فوراً پانی لے کر آ گئیں۔ پانی کے ساتھ دوا کھانے سے کھانسی فوراً رک گئی۔ مگر دادی کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ مگر یہ نمی سب کو خوشی اور محبت کا احساس کرا رہی تھی۔ آج عالیہ کو رشتوں کی مٹھاس کا احساس ہو گیا تھا۔

■

Manzoor Parwana
Chiken Shapi, Nazirabad
Lucknow - 226018 (UP)

■ جاوید نہال حشمی

بہروپیے جانور

انسانوں کو تو آپ نے مختلف روپ دھارتے سنا ہوگا، چاہے وہ فلموں یا ڈراموں میں کام کرنے کے لیے ہو یا پھر دشمنوں یا پولیس کی نظروں سے بچنے کے لیے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ جانور بھی اپنے دشمنوں سے بچنے کے لیے یا اپنے شکار کو پھانسنے کے لیے مختلف قسم کے بہروپ بھرتے ہیں۔ آیئے، آج ہم آپ کو کچھ ایسے دلچسپ جانوروں کے بارے میں بتاتے ہیں جو اپنے دشمنوں سے بچنے کے لیے ایسے حیرت انگیز روپ دھارتے ہیں کہ عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے!

جانوروں کے اس بہروپ بھرنے کے عمل کو انگریزی میں Mimicry کہتے ہیں جو ان میں پایا جانے والا ایک حیرت انگیز دفاعی ہتھیار ہونے کے ساتھ ساتھ گھات لگا کر اپنے شکار پر حملہ آور ہونے کا مہلک حربہ بھی ہے۔ جانور نہ صرف دوسرے جانوروں کا بھیس بدل کر گھومتے پھرتے ہیں بلکہ تبدیلیٔ ماہیت کے ذریعہ پھول، پتے، ٹہنیوں، بعض اوقات پورے پودوں یا پھر بیجان پتھر کے ٹکڑوں کی ہو بہو نقل اتارتے ہیں۔ روپ بھرنے کے مقصد کی بنیاد پر اس کی درجہ بندی دو قسموں میں کی جاسکتی ہے:

(الف) دفاعی بہروپ (Defensive Mimicry)

(ب) جارحانہ بہروپ (Aggressive Mimicry)

دفاعی بہروپ: جب جانور اپنے شکاری جانوروں کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے اپنا روپ تبدیل کرتے ہیں تو اسے دفاعی بہروپ کہتے ہیں۔ دفاعی بہروپ کی بھی کئی دلچسپ قسمیں ہیں۔

(1) بدمزہ یا زہریلے جانوروں کا بھیس: کچھ جانور جو اپنے شکاری جانوروں کے لیے لذیذ غذا ہوتے ہیں

ہم شکل اور بے ضرر Viceroy Butterfly (*Basilarchia archippus*) | زہریلی Monarch Butterfly (*Anosia plexippus*)

ان جانوروں کا بھیس بدلتے ہیں جو ان ہی شکاری جانوروں کے لیے بدمزہ یا زہریلے جانور کے طور پر شناخت رکھتے ہیں تاکہ شکاری انہیں بھی بے ذائقہ، نقصاندہ یا خطرناک سمجھ کر کھانے سے پرہیز کریں۔ اس کی ایک عمدہ مثال Basilarchiaarchippus نامی تتلی ہے جو کیڑے مکوڑے کھانے والے پرندوں کے لیے نہایت لذیذ غذا ہے۔ یہ Anosiaplexippus نامی تتلی کا روپ دھارتی ہے جو ان پرندوں کے لیے بدمزہ غذا ہے اور جسے یہ پرندے کھانا پسند نہیں کرتے:

اسی طرح بے ضرر Scarlet King Snake، نہایت زہریلے مونگا سانپ (Coral Snake) کے جسم کی چمکیلی

زہریلا مونگا سانپ Venomous Coral Snake | بے ضرر لال بادشاہ سانپ Scarlet King Snake

بھڑک دار دھاریوں کی نقالی کرتے ہیں جس کے سبب شکاری انہیں بھی زہریلا سمجھ کر کھانے سے باز رہتے ہیں اور اس طرح یہ بے ضرر سانپ ان کا شکار ہونے سے محفوظ رہتے ہیں:

(2) بے جان چیزوں کا بھروپ: Kallimainachus نامی تتلی کے پَروں کے اوپری سطحوں پر خوبصورت رنگین

Kallima inachus

ڈیزائن بنے ہوتے ہیں جب کہ ان کی نچلی سطحیں بھورے رنگ کی ہوتی ہیں۔ جب یہ تتلی درختوں کی ٹہنیوں پر بیٹھتی ہے تو اس کے دونوں پَر ایک دوسرے سے یوں مل جاتے ہیں کہ رنگین حصہ اندر چھپ جاتا ہے اور باہری سطحیں بھورے رنگ کے خشک پتے سے مشابہ نظر آنے لگتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان پر mid-rib کی طرح نمایاں درمیانی لکیر بھی واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔اس طرح یہ اپنے شکاری پرندوں کے قریب ہونے کے باوجود ان کی نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے:

Phylliumsiccifolium نامی کیڑا بھی اس کی ایک عمدہ مثال ہے جس کا جسم اور پیر چوڑے اور چپٹے ہوتے ہیں اور پورا جسم سبز رنگ کا ہوتا ہے جس پر جگہ جگہ پیلے رنگ کے دھبے ہوتے ہیں جس سے اس کا جسم پھپھوندی لگے پتے سے مشابہ ہو جاتا ہے

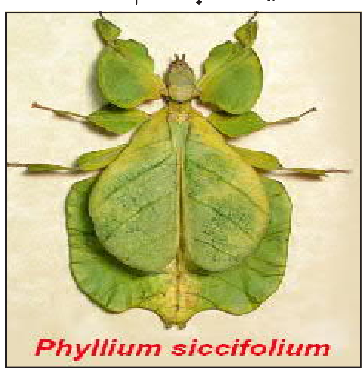
Phyllium siccifolium

اور یہ سبز پتوں کے درمیان نظروں سے اوجھل رہتا ہے:

Seleniatetralunaria نامی پتنگے کا پہلا روپ caterpillar stick کہلاتا ہے کیوں کہ اس کے جسم کی بناوٹ اور رنگت کسی ٹہنی سے بالکل مشابہ ہوتی ہے۔آرام کرتے وقت یہ اپنے جسم کے پچھلے حصے سے کسی ٹہنی کو اتنی سختی سے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے کہ اس کا پورا جسم تن جاتا ہے اور لمبا ہو کر ایک خاص زاویے پر ٹہنی سے لگا رہتا ہے جب کہ

اس کا نوکیلا سر کسی کلی سے ملتا جلتا ہے:

Phasmatodea نامی کیڑے کا جسم اور ٹانگیں کسی شاخ دار ٹہنی یا جھاڑی سے ملتی جلتی ہیں جس کی بنا پر اسے ''متحرک چھڑی'' یعنی Walking stick کا نام دیا گیا ہے۔شکاری پرندوں کے لیے اسے ڈھونڈ نکالنا انتہائی مشکل ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ دنیا بھر کے جنگلوں میں بےخوف وخطر

بڑی پرسکون زندگی گزارتا ہے:

جنوبی آسٹریلیا کے سمندروں میں پائی جانے والی ایک مچھلی کی شکل کسی آبی پودے سے ملتی جلتی ہے جس میں کئی

شاخیں اور پتے نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ اسے Leafy Sea Dragon یعنی ''پتے دار سمندری اژدھا'' کہا جاتا ہے۔ اس کی جسامت دس انچ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ شکاری مچھلیاں اسے تیرتا ہوا آبی پودا سمجھ کر پاس سے گزر جاتی ہیں:

(3) مرنے کا سوانگ: کئی پرندے، چوہے، چھپکلیاں اور

ایک Grass Snake مرنے کی اداکاری کرتے ہوئے

سانپ وغیرہ اپنے شکاری جانور کو دیکھتے ہی مَرے پڑے ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہیں کیونکہ بیشتر شکاری جانور زندہ شکار کرتے ہیں:

شمالی امریکہ میں پایا جانے والا Opossum (موشِ کیسہ دار، صارلیغ) (D. Virginiana) اپنے شکار کو دیکھتے

Opossum مرے ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے جسے کتا کھانے سے احتراز کر رہا ہے

Opossum (موشِ کیسہ دار، صارلیغ)

ہی فوراً گر کر بغلوں کے بل اس طرح لیٹ جاتا ہے کہ آنکھیں پھیلی ہوئی، منہ کھلے ہوئے اور زبان باہر کو لٹکی ہوئی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ دل کی دھڑکن اور سانسیں تک سست ہو جاتی ہیں۔ ساتھ ہی یہ مقعد سے سبز رنگ کا ایک انتہائی بدبودار مادہ خارج کرنے لگتا ہے جس سے شکاری دور ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔ اپنے اوپر بیہوشی جیسی حالت طاری کر کے یہ نہ صرف خود کو اپنے شکاری سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ انہیں اس مغالطے میں بھی ڈال دیتا ہے کہ وہ ان کے بچوں کے لیے بیضرر ہے۔ پھر موقع دیکھ کر ان پر حملہ آور بھی ہو جاتا ہے۔ اس کی اسی فن کاری کی وجہ سے انگریزی زبان میں ایک محاورہ Play possum بھی رائج ہے جس کے معنی ہیں فریب کے لیے مرنے یا زخمی ہونے کی اداکاری کرنا:

Killdeer (Charadrius Vociferous) نامی پرندہ اپنے گھونسلے میں پڑے ننھے ننھے بچوں کو شکاری جانور

سے بچانے کے لیے گھونسلے سے تھوڑی دوری پر اپنے پَر اس طرح موڑ کر لیٹ جاتا ہے گویا وہ ٹوٹے پَروں کے ساتھ زخمی

Killdeer (*Charadrius vociferous*)
زخمی ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے

حالت میں پڑا ہوا ہوتا کہ شکاری کا دھیان اس کے بچوں کی طرف سے ہٹ کر اس کی جانب مبذول ہو سکے۔ اگر اس میں کامیاب نہیں ہوتا تو 'زخمی حالت' میں ہی اِدھر اُدھر پھڑ پھڑانے اور کراہنے بھی لگتا ہے۔ پھر جیسے ہی شکاری جانور اس کے بچوں کو چھوڑ کر اس کی جانب لپکتا ہے یہ فوراً 'ٹھیک ہو کر' اُڑ جاتا ہے:

(4) پس منظر میں مدغم ہونا: اپنے دشمنوں یا شکاریوں سے بچنے کے لیے اپنی رنگت تبدیل کر کے پس منظر

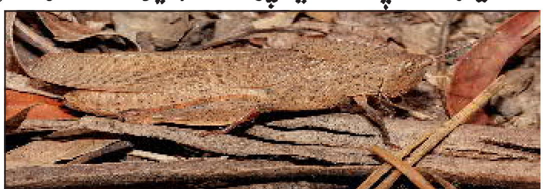

ٹڈے (Grasshoppers) اپنے پس منظر کے مطابق الگ الگ رنگ میں

میں گم ہو جانے کا حربہ شاید سب سے قدیم اور عام ہے۔ اس کی بہترین مثال ٹڈا (Grasshopper) ہے:

اسے Camouflage کہتے ہیں جس کا استعمال ہمارے فوجی بھی جنگلوں اور جھاڑیوں میں حرکت کرتے وقت دشمنوں کی نگاہوں سے اوجھل رہنے کے لیے کرتے ہیں:

اسی طرح Cryptolithodes نامی کیکڑے کا جسم چکنا اور تقریباً گول ہوتا ہے۔ شکل اور رنگ کے اعتبار سے یہ ساحل پر پڑے چھوٹے چھوٹے سفید گول پتھروں سے اس قدر مشابہ ہوتے ہیں کہ ان میں انہیں ڈھونڈ نکالنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔

Fiddler Crab نامی کیکڑا اس کی ایک حیرت انگیز اور دلچسپ مثال پیش کرتا ہے۔ یہ کیکڑا صبح کا اجالا پھیلتے ہی اپنے

جسم کا رنگ بدلنے لگتا ہے اور دوپہر تک بالکل گہرے رنگ کا ہو جاتا ہے۔ پھر اسی رنگ سے مشابہ پس منظر میں گم ہو جاتا ہے تاکہ شکاریوں کے نظروں سے محفوظ رہ سکے۔ پھر دن ڈھلتے ہی اس کے جسم کا رنگ ہلکا پڑنے لگتا ہے اور رات کو اس کا جسم مکمل طور سے اپنا اصلی ہلکا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

اس سلسلے میں Indo-Pacific سمندروں میں پائی جانے والی کچھ مچھلیاں جنھیں مجموعی طور پر Flatfish کہا جاتا

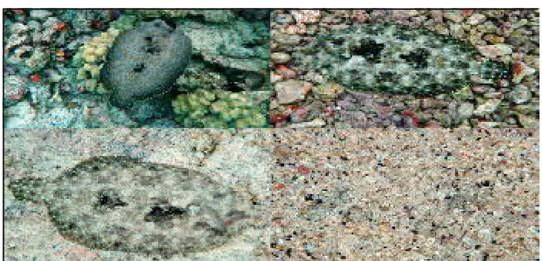

چند منٹوں کے وقفوں سے لی گئی ایک ہی Peacock Flounder کی تصاویر جو اپنے پس منظر کے مطابق رنگ تبدیل کر رہی ہے

ہے (مثلاً Peacock Flounder) باعمل تبدیلیِ ماہیت (Active Camouflage) کا بہترین مظاہرہ کرتی ہیں۔ یعنی یہ گرگٹ (Chameleon) کی طرح مسلسل اپنے پس منظر سے ملتی جلتی رنگت اختیار کرتی جاتی ہیں اور شفاف (Transparent) نظر آکر پس منظر میں غائب رہتی ہیں جس سے نہ صرف اپنے شکاری (Predator) بلکہ شکار (Prey) کو بھی دھوکا دینے میں کامیاب رہتی ہیں:

یہ مچھلیاں اپنے مخصوص ہارمونس کی مدد سے اپنی جلد کے سطحی خلیوں میں پس منظر کے مطابق رنگدار مادے

Flatfish اپنے جسم کو شفاف بنا کر پس منظر میں غائب ہوتی ہوئی

(Pigments) پیدا کرتی جاتی ہیں۔

(5) نقلی سر اور انٹینا: Thecla طبقے کی ایک تتلی (Strymonmelinus) کے پَروں کے پچھلے حصے سکڑ کر مصنوعی سر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جس پر نقلی آنکھیں اور انٹینا

Crowned Hairstreak (*Evenus coronata*) نقلی سر، آنکھیں اور انٹینا والی تتلیاں Grey Hairstreak (*Strymon melinus*)

بھی پائے جاتے ہیں۔ شکاری جانور اس طرح ان پر حملہ کرتے ہیں کہ اگر شکار آگے کی جانب اڑے گا بھی تو ان کے وار کی زد میں ہوگا۔ لیکن بیچارے بس ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں جب یہ ان کی توقع کے خلاف پیچھے کی جانب اُڑ جاتی ہیں:

Hydrophispachycercos نامی سمندری سانپ کی دم کا آخری سرا اس کے سر سے مشابہ ہوتا ہے جس کے

سبب اسے ''دوہرے سَر والا سانپ'' بھی کہا جاتا ہے۔ شارک اور دیگر شکاری جانور حملہ کرنے سے قبل یہ طے نہیں کر پاتے ہیں کہ سانپ آرہا ہے یا جا رہا ہے:

(6) 'گھورتی' آنکھیں: اپنے شکاری کو ڈرا کر دور رکھنے کے لیے اکثر پتنگوں، کیڑوں، تتلیوں اور دیگر جانوروں کے پَروں پر گھورتی آنکھوں سے مشابہ نقش و نگار پائے جاتے ہیں جنھیں دیکھنے سے بہت سے خطرناک جانور مثلاً بھیڑیا، شیر، اُلو کے خوفناک چہرے یا سانپ کے جبڑے کا عکس ذہن میں

Fulgora laternaria یا لالٹین مکھی (Lantern fly) کے پَروں پر گھورتی ہوئی آنکھوں کا نقش

عقاب، سانپ، بھیڑیا اور اُلّو صورت پتنگے

اُبھرتا ہے۔ شکاری جانور اس سے خوفزدہ ہو کر ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتے:

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کمرے کی سفید دیواروں پر ٹیوب لائٹ کے قریب یا کہیں اور مور کے پَر رکھ دینے سے چھپکلیاں کیوں غائب ہو جاتی ہیں!

(7) گیدڑ بھپکی: بعض جانور، خاص طور سے گرگٹ، اپنے شکاری کو ڈرا کر دور بھگانے کے لیے بڑی ڈراؤنی شکلیں بھی بناتے ہیں۔ آسٹریلیا کے Frilled Lizard کی گردن

آسٹریلیائی جھالردار گرگٹ خوفناک شکل بنا کر اپنے شکاری کو ڈراتے ہوئے

کے گرد کی جلد جھالر کی صورت میں موجود ہوتی ہے جو عام حالت میں گردن سے چپکی ہوتی ہے۔ لیکن خطرہ محسوس کرتے ہی یا شکاری کو اپنے قریب آتے دیکھ کر فوراً اس طرح بھیانک انداز میں منہ پھاڑ لیتا ہے کہ گردن کے گرد کی جھالردار جلد تن کر پھیل جاتی ہے اور اس کے چہرے کو ایک دم سے بڑا اور مزید خوفناک بنا دیتی ہے جس سے شکاری جانور ڈر کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں:

جنوبی افریقہ کے نامبیا میں پائے جانے والے ریگستانی گرگٹ کے گلے کی جلد لٹکی ہوتی ہے جسے Dewlap کہتے

Chamaeleo namaquensis اپنے گلتھا (dewlap) کو ڈرانے کے لئے استعمال کرتے ہوئے

ہیں۔ یہ بھی اپنے شکاری کو سامنے پا کر اچانک اپنا منہ یوں پھاڑتا ہے کہ کھلا ہوا دہانہ اور اس کے نیچے لٹکی ہوئی جلد چہرے کو نہ صرف بڑا کر دیتے ہیں بلکہ خوفناک بھی بنا دیتے ہیں جس سے شکاری جانور ڈر کر فوراً بھاگ جاتا ہے:

جارحانہ بھروپ: جب جانور اپنے شکار کو دھوکے میں رکھ کر یا گھات لگا کر حملہ کرنے کے لیے اپنا روپ تبدیل کرتے ہیں تو اسے جارحانہ بھروپ (Aggressive Mimicry) کہتے ہیں۔ کیڑے مکوڑوں کو کھانے والے یا دوسرے گوشت خور جانور اس قسم کا روپ بھرتے ہیں۔

آرکڈ کے پھولوں سے مشابہ

مکڑے اس کی عمدہ مثال پیش کرتے ہیں۔ کچھ پیلے رنگ کے مکڑے پیلے رنگوں کے پھولوں پر ہی بیٹھتے ہیں اور پس منظر میں پوری طرح گم ہو

جاتے ہیں۔ مطس خاندان کے گوشت خور کیڑے (Orchid mantis) کا جسم ہی شکل وصورت اور رنگت کے اعتبار سے آرکڈ کے پھولوں سے مشابہ ہوتا ہے جس سے پھولوں کا رس چوسنے کے لیے آنے والی تتلیاں اور بھونرے دھوکا کھا جاتے ہیں اور آسانی سے ان بہروپیے جانوروں کا شکار ہوکر رہ جاتی ہیں:

بنسی باز مچھلی (Angler Fish) کا نام ہی اس کے شکار کرنے کے طریقے کی بنیاد پر رکھا گیا ہے۔ اس مچھلی کے سر پر ٹھیک آنکھوں کے اوپر ایک قدرے لمبی چھڑی نما عضو لہراتا

بنسی باز مچھلی
Angler Fish

ہے جس کا سرا گوشت کے چھوٹے سے لوتھڑے سے مشابہ ہوتا ہے۔ یہ چھڑی نما عضو چاروں طرف حرکت کرنے کے قابل ہوتا ہے اور گوشت کا لوتھڑا نما سرا بھی اس طرح بل کھاتا ہے کہ دور سے یہ کوئی چھوٹا سا قابلِ شکار جانور نظر آتا ہے جسے یہ مچھلی چارہ کے طور پر استعمال کرکے دوسرے شکاری جانوروں کو للچا کر اپنے قریب آنے پر مجبور کرتی ہے۔ پھر ایک دم سے اچانک اپنا خوفناک منہ کھول کر اسے پورا کا پورا نگل جاتی ہے:

سمندری مچھلی Frogfish کے جسم پر خارچے (Spinules) یا کچھ اور ڈیزائن بنے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دیگر نہایت چھوٹے چھوٹے جانور چپکے ہوتے ہیں۔ یہ رنگت بھی تبدیل کرنے کے قابل ہوتی ہیں۔ ان میں سے کئی ایک کی شکل و صورت پتھر، مونگا (Coral) یا اسفنج (Sponge) سے ملتی جلتی ہے اور یہ تبدیلیِ ہیئت اس درجۂ کمال کی ہوتی ہے کہ دیگر کئی چھوٹے سمندری جانوران کے جسم پر سے گزر جاتے ہیں یہ سمجھے بغیر کہ وہ کسی بیجان پتھر پر سے نہیں بلکہ کسی زندہ جانور کے بدن پر سے گزر رہے ہیں۔ یہ بہت دھیمی رفتار سے حرکت کرتی ہے اور بعض اوقات دم سادھے

Frogfish بے جان پتھریلے مونگے کے ساتھ دم سادھے کھڑی

انتظار کرتی ہے اپنے شکاری کے گزر جانے کا، یا پھر اپنے شکار کے قریب آنے کا اور پھر بڑی سُرعت کے ساتھ، تقریباً چھ میلی سکنڈ میں، اس پر حملہ آور ہوتی ہے:

Buteoalbonotatus نامی عقاب آسمان میں گِدھوں کے غول کے ساتھ اُڑتا ہے۔ یہ رنگت اور پنکھوں کی بناوٹ کے اعتبار سے گِدھوں سے کافی مشابہ ہوتا ہے۔ گِدھ زندہ اور چھوٹے جانوروں کا شکار نہیں کرتے۔ لہٰذا چھوٹے چھوٹے جانور بلا خوف وخطر ان کے پاس سے گزر جاتے ہیں۔ یہ عقاب اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک ہی ان کے غول سے غوطہ لگا کر ان پر جھپٹ پڑتا ہے اور ان کا شکار کرلیتا ہے۔

■

Javed Nihal Hashami
B-5, Govt. R.H.E., Hastings
3, St. Georges Gate Road
Kolkata - 700022 (West Bengal)

سید ضیاء الحسن

’حُبلَہ‘

ایک نئی تفریح گاہ

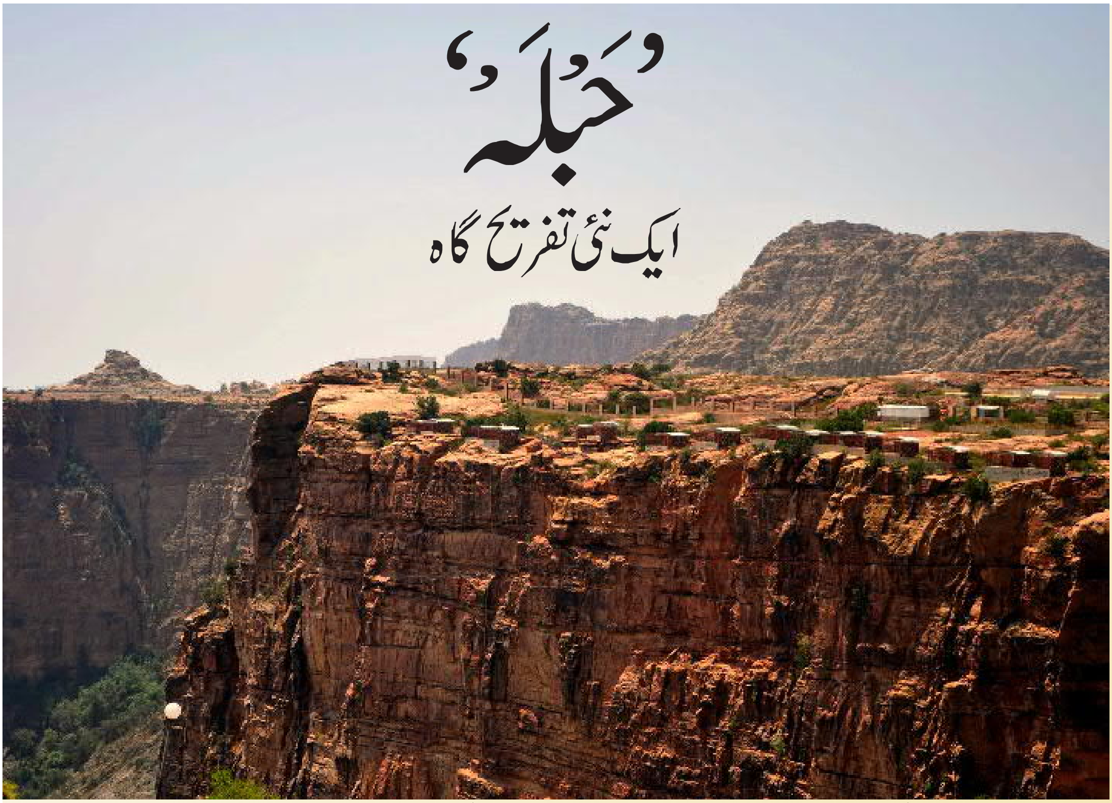

پیارے بچو! تم نے شیخ سعدیؒ کا نام سنا ہوگا یہ ایک بہت مشہور بزرگ، جہانیاں جہاں گشت، فارسی زبان کے بڑے ادیب اور تجربہ کار انسان گزرے ہیں۔ اللہ نے انھیں بڑی لمبی عمر عطا کی تھی۔ کہتے ہیں کہ ان کی عمر سَو سال سے زائد تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ یعنی بچپن، لڑکپن اور جوانی کا ابتدائی زمانہ تعلیم حاصل کرنے میں گزارا، درمیانی حصہ دنیا بھر گھومنے، پھرنے اور سیر و سیاحت میں صَرف کیا اور عمر کے آخری حصہ کو اپنے حالات، واقعات اور تجربات کو دل نشیں اور ناصحانہ انداز میں (فارسی زبان میں) قلم بند کر کے دو عظیم کتابوں یعنی ’گلستان‘ اور ’بوستان‘ کی شکل میں دنیا کو تحفہ میں دیا۔ مشہور ہے کہ اگر کوئی ان دونوں کتابوں کو پڑھ لے اور اس کی روشنی میں زندگی گزارے تو زندگی میں کبھی دھوکا نہیں کھائے گا۔

شیخ سعدی کا ہی قول ہے کہ انسان کو (اگر آسانیاں نصیب ہوں تو) خوب سفر کرنا چاہیے کیونکہ ’سفر وسیلۂ ظفر‘ ہے یعنی اس سے کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ’’بِسیار سفر باید تا پختہ شود خامے‘‘ مطلب یہ ہے کہ سفر سے انسان میں خوداعتمادی اور ارادوں میں پختگی آتی ہے۔ نئے نئے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے ان کے رسم و رواج سے واقفیت ہوتی ہے اور بہت سے تجربات وانکشافات ہوتے ہیں، معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ الغرض سیر و سیاحت ایک بڑے کام کی چیز ہے۔

ابھی تھوڑے دن پہلے مجھے سعودی عرب کے ایک شہر ’ابہا‘ (Abha) جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ شہر جدہ سے تقریباً 750 کلومیٹر دور خاصی بلندی پر واقع ہے۔ یہ مقام پرفضا بھی ہے اور ٹھنڈا بھی۔ چونکہ یہاں بہت سے چھوٹے بڑے پہاڑ ہیں اس

لیے اگر اسے ہل اسٹیشن (Hill Station) کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ موجودہ سعودی حکومت نے اپنے ملک کو ترقی دینے کے لیے جہاں بہت سے اچھے کام کیے ہیں وہیں اس علاقے پر خصوصی توجہ دے کر مزید خوب صورت اور پر کشش سیاحت گاہ بنادیا ہے۔ یہاں سرکاری اور غیر سرکاری آرام دہ قیام گاہیں اور ہوٹل بھی ہیں جن میں عرب اور دیگر ممالک کے سیاح آکر قیام کرتے ہیں اور یہاں کی سرسبزی و شادابی نیز قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

'ابہا' (Abha) شہر کی آبادی سے لگ بھگ 150 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک غیر آباد بلکہ کم آباد بلند و بالا پہاڑوں سے گھری ہوئی ایک چھوٹی سی جگہ ہے جو حبلہ (Habla) کے نام سے مشہور ہے اسے 'ہینگنگ ولیج' (Hanging Village) یعنی ''جھولتا ہوا دیہات'' بھی کہتے ہیں۔ یہاں معدودے چند افراد قیام پذیر ہیں۔ ان لوگوں کا چونکہ مہذب دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا اس لیے تہذیب، سبھیتا یا سوی لائزیشن (Civilisation) نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ان لوگوں کی زندگی جنگلی اور نیم وحشی انسانوں جیسی تھی۔ یہاں اگر کوئی شخص مرجاتا تھا تو گھر والے رو پیٹ کر گھر سے ذرا دور پہاڑ کے ایک پتھر (سِل) کے نیچے دبا دیتے تھے... اور بس... معلوم ہوا کہ آخری لاش محض تیس پینتیس سال پرانی ہے جسے باقاعدہ حکومت نے قبر بنا کر دفن کیا ورنہ اس سے قبل وہی پتھر کی سِل کے نیچے دبا دینے کا رواج تھا... یہ لوگ گھر بھی پتھروں کو ترتیب سے تلے اوپر رکھ کر بنا لیتے تھے اور چھت کے لیے لکڑیاں رکھ کر اس پر گھاس پھوس ڈال لیتے تھے۔ اس وقت بھی وہاں اس قسم کے چند گھر بنے نظر آجاتے ہیں جن کی تعداد محض سات آٹھ ہے۔ یہاں کی آبادی محض سو، سوا سو افراد پر مشتمل ہے ــــ حبلہ میں گیندے کے پھولوں کی کثرت ہے (اور شاید یہ خودرو ہیں) وہاں کی عورتیں اور مرد بھی اکثر گیندے کے ہار بنا کر پہنتے ہیں۔ بہت سے لوگ تو یہ ہار بجائے گلے میں پہننے کے پیشانی پر باندھ لیتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو 'فلاورمین' کہا جاتا ہے۔

چند سال قبل حکومت نے جب اس علاقے کی ترقی کی طرف توجہ دی تو یہاں آنے والے سیاحوں کی کار پارکنگ کے لیے کچھ فیس بھی متعین کر دی تا کہ اس آمدنی سے ترقیاتی پروجیکٹوں میں مدد مل سکے۔

'حبلہ' علاقے کی وجہ تسمیہ بظاہر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حبلہ چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اندر جتنی بھی آبادی ہے اس کا بیرونی دنیا سے نہ کوئی واسطہ ہے اور نہ ہی کوئی راستہ۔ اگر کوئی جیالا اور بہادر نوجوان کسی ضرورت سے باہر جانا ہی چاہتا ہے تو رسیوں کے سہارے اوپر چڑھ کر دوسری جانب رسیوں ہی کے ذریعہ اتر جاتا ہے۔ درحقیقت یہ چڑھنا اترنا آسان کام نہیں۔ الغرض اسی رسی کے بل بوتے پر ان لوگوں کا دوسری جانب کی مہذب آبادی سے برائے نام رابطہ ہے۔ چونکہ عربی زبان میں 'حبل' رسی کو کہتے ہیں اسی مناسبت سے اس علاقے کا نام 'حبلہ' پڑ گیا۔

1970 تک یہاں ترقی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ 1970 میں حکومت کے افراد ہیلی کاپٹر کے ذریعہ اپنی کسی مہم کے سلسلہ میں اِدھر سے گزرے اور انھوں نے یہاں زندگی کے آثار دیکھے تو نیچے اترے اور اِن نیم وحشی لوگوں سے ملاقات کی۔ ان لوگوں کی زبان بگڑی ہوئی عربی ہے جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی۔ الغرض ان لوگوں نے اس علاقے کے لوگوں سے بہت سی معلومات کیں پھر واپس آکر ذمہ داران حکومت کو اس علاقے کی کیفیت سے آگاہ کیا__ بس اسی وقت سے حکومت نے اس علاقے کی ترقی اور ڈیولپ منٹ کے پلان بنانے اور اسے ترقی دے کر قابل سیاحت ایک خوب صورت مرکز بنا دیا... اب یہاں خوب صورت کار پارکنگ بھی ہے، ہوٹلس بھی ہیں اور دیگر تفریح کے سامان بھی.... حبلہ کے اندر اترنے کے لیے کیبل کار (Cable Car) کا بھی انتظام ہے جس سے لوگ اندر اتر کر وہاں کا باقاعدہ معائنہ کرتے ہیں۔ وہاں جنگل جیسا ماحول ہے، جنگلی پھل اور پھول ہیں، کچے راستے ہیں اور پگڈنڈیاں ہیں۔ جانوروں میں صرف کچھ بندر نظر آتے ہیں جو مستقل حبلہ کے باشندے ہیں۔ اسی طرح کچھ مقامی پرندے جیسے گوریا، مینا اور کوے بھی دکھائی پڑتے ہیں۔ البتہ کئی جگھوں پر شہد کی مکھیوں کے چھتے نظر آئے جو ان ہی گیندے کے پھولوں سے رس چوس کر شہد بناتی ہیں..... دو پہاڑوں کے درمیان کیبل کار (Cable Car) کا راستہ ہے۔ پہاڑوں کے کنارے کنارے حکومت نے پختہ سڑک بھی بنوا دی ہے اور سیاحوں کے آرام و آسائش کے لیے ضروری اشیاء کی دکانیں بھی قائم ہوگئی ہیں۔ الغرض 'حبلہ' ایک نئی تفریح گاہ بن گئی ہے۔

■

Syed Zia-ul-Hasan
Baitun-Noor, Behind Madehganj, Police Post
Sitapur Road, Lucknow - (UP)

شجاع الدین شاہد

بادل تم کیوں آتے نہیں

ننھے مُنّے بچے نے
پوچھا اک دن بادل سے
بادل تم کیوں آتے نہیں
کیوں پانی برساتے نہیں
گرج کڑک کے بادل بولا
اُس نے اپنا منھ یوں کھولا
انسانوں نے حد یہ کردی
ساری فضا نفرت سے بھر دی
دیکھ کے یہ سب جی کُڑھتا ہے
میرا تو اب دم گھٹتا ہے
پہلے انساں کو سمجھاؤ
ندی نالے پیڑ بچاؤ
دیکھو قدرت کے منظر کو
اور سنبھالو بحر و بر کو
جنگل میں مت آگ لگاؤ
اپنی زمیں سرسبز بناؤ
انسانوں کو یہ سمجھاؤ
پیڑ اُگاؤ پیڑ اُگاؤ
اُس کے بعد ہی میں آؤں گا
جل تھل سب کو کر جاؤں گا

Shujauddin Shahid
304, Mansarouer A-Wing-Malwani
Mahadda - Malad (w)
Mumbai - 400095 (Maharashtra)

احمد سعید اطہر

جنگلوں کی بہار

طوطا، مینا اور کبوتر، ہدہد و تیتر، بٹیر
بارہ سنگھا، فیل، چیتل، نیل گائے اور شیر
اونٹ، بندر اور سانبر، زیبرا، گینڈا، ببر
کتنے اچھے ہیں پرندے، کتنے سندر جانور
مور کتنا خوب صورت ہے، ہرن کتنا حسین
اور خرگوشوں سے ہے آباد جنگل کی زمین
ان سے صحرا میں ہے رونق ان سے جنگل میں بہار
جرم ہے کرنا پرندوں اور درندوں کا شکار
یہ ہیں سب قدرت کا اک تحفہ ہمارے واسطے
کیجیے ان کی حفاظت بھی خدا کے واسطے
جنگلوں کو کاٹنا بھی جرم ہے اے دوستو
جانداروں کو ستانا ظلم ہے اے دوستو
جنگلوں کے ہی سبب برسات ہوتی ہے یہاں
سوکھ جاتی ہیں اگر بارش نہ ہو تو کھیتیاں
پیڑ پودوں کو ہر اک گھر میں لگانا چاہیے
سوکھنے پائیں نہ، جل دے کر بچانا چاہیے
پھول پھل دیتے ہیں یہ ہم سب کو ٹھنڈی چھاؤں بھی
پر فضا بن جاتے ہیں ان سے شہر بھی گاؤں بھی
اس لیے اے بھائیو ان کی حفاظت فرض ہے
ہر قسم کے جانداروں سے محبت فرض ہے

Ahmed Sayeed Ather
Rtd. Dy. Collector
H.No.4-413, Zafer Nagar
Mancherial - 504208 (AP)

حیدر بخش حیدری

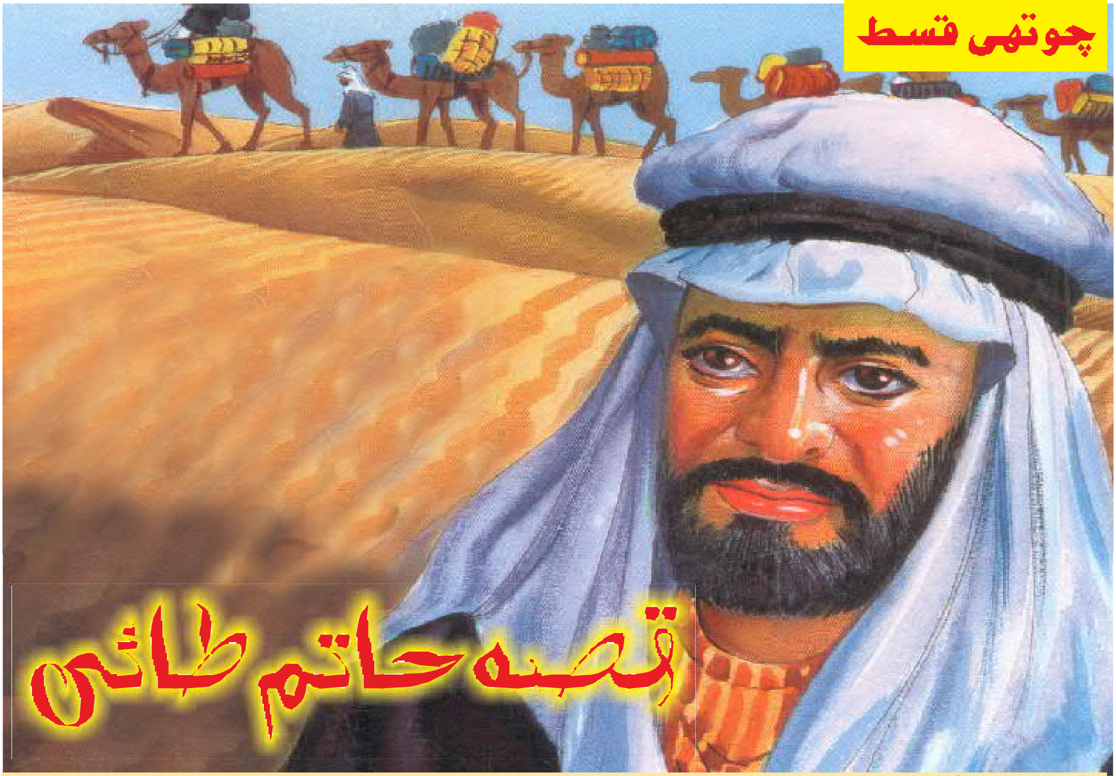

اب تک آپ نے پڑھا کہ

ملک یمن میں بادشاہ طے کا شریف اور سخی بیٹا حاتم تھا۔ وہ لوگوں کی بھلائی اور دوسروں کی مدد کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتا تھا۔ خراسان کے ایک سوداگر برزخ کی بیٹی حسن بانو کی خوب صورتی کے چہار سو چرچے تھے۔ برزخ نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپ دی تھی۔ حسن بانو بڑی نیک دل تھی۔ اس نے اپنے سوداگر باپ کی دولت دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرنی شروع کردی۔ یہ دیکھ کر اس کی دایہ نے اُسے روکا کہ ابھی تمہاری بہت لمبی عمر ہے ایسے دولت نہ ختم کرو۔ زندگی گزارنے کے لیے ایک شریک حیات کا انتخاب کرو۔ اچھے قابل اور بہادر انسان کی تلاش کے لیے سات سوال کرو۔ جو نوجوان سارے سوالات حل کرلے اُس سے شادی کرو اور چین وسکون کی زندگی گزارو۔ اسی بیچ ایک جعلی بزرگ نے حسن بانو کی ساری دولت لوٹ لی۔ حسن بانو نے جب بادشاہ سے شکایت کی تو بادشاہ نے اسے جھوٹا قرار دے کر شہر سے نکال دیا۔ حسن بانو اور اس کی بوڑھی دایہ ایک جنگل میں رہنے لگے۔ ایک رات حسن بانو کو خواب میں نظر آیا کہ جس درخت کے نیچے وہ سو رہی ہے وہاں سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ حسن بانو نے اٹھ کر دایہ کو اپنا خواب بتایا اور دونوں نے اس خزانے کو حاصل کیا اور جنگل میں عالی شان محل بنا کر رہنے لگیں۔ کچھ دنوں بعد حسن بانو نے ایک لڑکے کا بھیس بدلا اور خراسان کے بادشاہ سے ملاقات کی اور اپنی عقل مندی سے اُس جعلی پیر کی حقیقت سب کے سامنے لا دی۔ بادشاہ یہ سب جان کر بہت شرمندہ ہوا اور حسن بانو کی ساری دولت واپس کردی۔ حسن بانو اب ہنسی خوشی رہنے لگی اور اللہ کی راہ میں اپنی

دولت لٹانے لگی۔ شہر خوارزم کے شہزادے منیر شامی کو بھی حسن بانو کے حسن اور سخاوت کا علم ہوا۔ وہ حسن بانو کی محبت میں گرفتار ہو کر حسن بانو سے ملنے آ پہنچا اور اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حسن بانو نے شرط رکھی کہ میرے ساتوں سوالوں کا جواب لا دو پھر میں تم سے شادی کروں گی۔ منیر شامی نے پہلا سوال دریافت کیا اور جواب ڈھونڈنے نکل پڑا لیکن وہ ناکام رہا۔ اس کی ملاقات حاتم سے ہوتی ہے۔ حاتم اسے دلاسا دیتا ہے اور حسن بانو کے پاس منیر شامی کو رکھ کر وہ پہلے سوال کا جواب لانے نکل پڑتا ہے۔

حاتم ایک جنگل میں پہنچا جہاں اُسے ایک ہرنی ملتی ہے۔ حاتم نے ایک بھیڑیے سے ہرنی کی جان بچائی اور آگے نکل گیا۔ اُس نے بعد میں ایک گیدڑ کی بھی مدد کی۔ گھنے جنگلوں میں حاتم ریچھوں سے گھر جاتا ہے۔ ریچھ کے بادشاہ نے اپنی بیٹی سے حاتم کی شادی کر دی۔ کچھ مہینوں کے بعد حاتم نے وہاں سے دشت ہویدا کی راہ لی جہاں اسے پہلے سوال کا جواب ملنا تھا۔ بڑی مشکل سے حاتم دشت ہویدا پہنچا اور اس شخص سے ملاقات کی جو جنگل میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ حاتم نے اس کی مشکل آسان کر دی اور پہلے سوال کا جواب تلاش کر لیا۔ حاتم واپس حسن بانو کے پاس آیا اور اُس سے دوسرا سوال پوچھا اور اس کا جواب لانے نکل پڑا۔

حاتم دوسرے سوال نیکی کر اور دریا میں ڈال کا جواب لانے نکل پڑا۔ راستے میں اُسے ایک نوجوان ملا۔ حاتم نے اپنی ذہانت اور بہادری سے اس کی مشکل حل کر دی۔ اس کے بعد حاتم آگے بڑھا۔ راستے میں اس نے ایک بستی کے لوگوں کو بلا سے نجات دلوائی اور ایک شہزادی کو جن سے آزاد کرا کر اس سے شادی کر لی۔ اب آگے:

شادی کے بعد حاتم کچھ دنوں وہاں ٹھہرا۔ پھر یوسف سوداگر کے کام کے لیے چین کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے اُس کے شہر میں جا پہنچا۔ لوگوں سے پوچھا کہ یوسف سوداگر کی حویلی کدھر ہے۔ سب حیرت سے حاتم کا منہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا ”شاید تو کوئی دیوانہ ہے جو یوسف سوداگر کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اُسے مرے تو سو برس ہونے کو آئے۔“ حاتم نے کہا ”یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ پھر بھی اُس کی حویلی تک پہنچنا چاہتا ہوں۔“ انھوں نے کہا ”اس کی حویلی سوداگروں کے محلے میں ہے۔ سیدھے ہاتھ کو چلے جاؤ۔“ حاتم پوچھتا پوچھتا سوداگروں کے محلے میں جا پہنچا۔ ادھر سارے شہر میں یہ شہرت ہو گئی کہ کوئی دیوانہ یوسف کو پوچھتا پھرتا ہے۔ بات چیت سے پتہ چلا کہ یہ یوسف کے رشتہ دار ہیں تو ان میں سے ایک سے حاتم کہنے لگا ”بھائی ایک جگہ میری ملاقات یوسف سوداگر سے ہوئی تھی۔ انھوں نے ایک پیغام بھیجا ہے۔“ اتنا سننا تھا کہ لوگ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ ایک نے کہا ”اسے بادشاہ کے پاس لے چلو۔“

غرض لوگ حاتم کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ حاتم نے بادشاہ کو وہ سارا قصہ سنا دیا جو قبرستان میں دیکھا تھا۔ یوسف کی خواہش بھی بادشاہ کو بتا دی۔ وہ بھی اسے دیوانہ سمجھ کر ہنسنے لگا۔ حاتم نے کہا ”اے شریف بادشاہ! تو مجھے دیوانہ سمجھ کر ہنس رہا ہے اور میں دل میں سوچ رہا ہوں کہ تو کتنا نادان ہے۔ ذرا سوچ تو! اگر یوسف مجھے نہ ملتا تو مجھے کیسے پتہ چلتا کہ اس کی دولت کہاں گڑی ہے۔“ یہ بات بادشاہ کی سمجھ میں آ گئی اور وہ اسے لے کر یوسف سوداگر کی حویلی میں پہنچا۔ یوسف کی بتائی

ہوئی جگہ پر زمین کھودی گئی۔ بہت مال نکلا۔ حاتم نے ایک چوتھائی اس کے عزیزوں کو دیا۔ باقی خیرات کر دیا۔

اس کام کو پورا کر کے حاتم واپس لوٹا اور یوسف کی قبر پر پہنچا۔ ابھی جمعہ میں دو دن باقی تھے۔ اس نے وہاں ٹھہر کر انتظار کیا۔ جمعہ کی رات کو پھر وہی ہوا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آج یوسف سوداگر نے بھی سب کی طرح اجلے کپڑے پہن رکھے تھے۔ بیٹھنے کا وقت آیا تو اسے بھی فرش پر جگہ ملی اور آج اُس کے سامنے بھی کھیر کا پیالہ اور ٹھنڈے پانی کا کوزہ آیا۔ یوسف نے حاتم کو دیکھا تو اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور کہا ''اے حاتم! تیری مہربانی سے آج اس عذاب سے مجھے چھٹکارا ملا۔'' حاتم بھی یہ سوچ کر بہت خوش تھا کہ میں اس کے کام آیا اور میری وجہ سے اس کا عذاب ختم ہوا۔ حاتم نے یوسف سوداگر سے اجازت لی اور چل پڑا۔

ذرا چلنے کے بعد ایک جگہ ایک بوڑھی عورت دکھائی دی۔ حاتم نے سمجھا کوئی مصیبت کی ماری غریب عورت ہے۔ اپنی قیمتی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی۔ بڑھیا دعائیں دینے لگی۔ حاتم آگے بڑھ گیا۔ ذرا دور گیا تھا کہ بڑھیا نے چلا کر کہا ''اِکّے دُکّے پنچھی پردیسی کا راہ باٹ میں اللہ نگہبان۔'' اس آواز کے سنتے ہی سات ہٹے کٹے مسلح آدمی جنگل سے نکلے اور حاتم کے پیچھے لگ لیے۔ بات یہ تھی کہ یہ ساتوں آدمی اس مکّار بڑھیا کے بیٹے تھے اور ان کا کام تھا جنگل میں اکیلے دُکیلے مسافروں کو لوٹ لینا۔ بڑھیا کا کام انھیں چوکنّا کرنا تھا کہ لو ایک پنچھی آتا ہے۔ پر قینچ کر لو۔

تھوڑی دور چل کر انھوں نے حاتم پر حملہ کیا اور اس کے سارے ہیرے جواہر چھین لیے۔ اسے مار کوٹ کے ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا۔ بیچارہ تین دن اس کنویں میں پڑا تڑپتا رہا۔ تیسرے دن مہرہ گھس کر زخموں پر لگایا تو چین پڑا۔ آنکھ جھپک گئی۔ خواب میں ایک بزرگ آئے اور کہنے لگے ''حاتم! اس جگہ ایک بڑا خزانہ دفن ہے۔ صبح دو آدمی یہاں آئیں گے اور اس جگہ سے تجھے نکالیں گے۔'' یہ سن کر حاتم کو اطمینان ہوا اور وہ دن نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ دن نکلنے پر دو آدمی کنویں کے قریب آئے اور انھوں نے کنوئیں میں رسی پھینک کر حاتم کو آواز دی۔ حاتم رسی کے سہارے کنویں سے باہر آیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ سوچنے لگا ''اگر اس وقت وہ سات

چور یہاں ہوتے تو یہ ساری دولت انھیں دے دیتا اور کہتا کہ آئندہ کے لیے چوری سے توبہ کرلو۔''

حاتم پھر اسی راستے پر پہنچا جہاں بڑھیا ملی تھی۔ اسے دیکھ کر بڑھیا نے پھر وہی آواز لگائی ''اِکّے دکّے پنچھی پردیسی کا راہ باٹ میں اللہ نگہبان۔'' اس آواز کو سن کر وہ ساتوں مسٹنڈے پھر نکل آئے۔ حاتم نے ان سے کہا ''دوستو! آج تمھیں ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اس لوٹ مار سے باز آجاؤ۔ میرے پاس کافی دھن دولت ہے۔ اسے لو اور اس دھندے سے ہاتھ اٹھاؤ۔ انھوں نے وہ مال لے کر وعدہ کیا کہ آئندہ یہ کام نہ کریں گے۔''

ان سے رخصت ہو کر حاتم آگے بڑھا۔ تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک کتا ہانپتا ہوا آیا اور پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ بیچارے کا پیاس سے برا حال تھا۔ زبان لٹک پڑی تھی۔ حاتم نے اُسے گود میں اٹھالیا۔ پاس کے ایک گاؤں میں لے جاکر اُسے پیٹ بھر کے پانی پلایا۔ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا تو دیکھا کہ سر میں ایک کیل ٹھکی ہوئی ہے۔ حاتم نے وہ کیل کھینچ کر نکالی۔ فوراً ہی وہ کتا ایک خوبصورت نوجوان کے روپ میں آ گیا۔

حاتم کتے کو آدمی بنتے دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہا ''اے خوب صورت جوان! اپنا حال سنا۔'' وہ بولا ''اے مہربان! میں سورت شہر کا رہنے والا ہوں۔ تجارت کرتا تھا۔ میری بیوی جادوگرنی تھی۔ اس نے سر میں کیل ٹھوک کر مجھے کتا بنا دیا۔ کتے کے روپ میں تین دن تک بھوکا پیاسا پھرتا رہا۔ آخر اللہ نے تجھے مجھ پر مہربان کر دیا۔ تیرے کیل نکالنے سے میں پھر آدمی کی شکل میں آ گیا۔ جی چاہتا ہے کہ چند دن تو میرا مہمان رہتا اور میں تیری خدمت کرتا۔'' حاتم نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ کئی دن اس کا مہمان رہنے کے بعد رخصت ہوا اور حارس سوداگر کی بیٹی کے پاس پہنچا۔ اسے اپنی کامیابی کی خبر دی اور سفر کی ساری تفصیل سنائی۔ سواگر کی بیٹی نے کہا ''ہاں تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ بہت دنوں سے وہ آواز آنی بند ہو گئی۔ میرا ایک سوال اور رہ گیا ہے۔ اگر تو نے اس کا جواب بھی لا دیا تو میں تیری کنیز ہوں۔''

حارس کی بیٹی سے یہ بات چیت کرنے کے بعد حاتم سرائے میں آیا اور وہاں سوداگر کے بچے سے ملاقات کی۔ وہ بڑی بے چینی سے حاتم کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ حاتم کو دیکھ کر اس کے گلے لگ گیا۔ حاتم نے سفر کا سارا قصہ اور اپنی کامیابی کا حال سنایا اور کہا ''تو اطمینان سے یہاں آرام کر اللہ نے چاہا تو تیسرے سوال کا جواب بھی جلد لاؤں گا۔ اس کے بعد سوداگر کی بیٹی سے تیری شادی کرادوں گا۔'' وہ بیچارہ پہلے ہی حاتم کا بے دام غلام تھا۔ اب اس نے ڈھارس بندھائی تو احسان کے بوجھ سے اور بھی گردن جھک گئی۔ بار بار حاتم کا شکریہ ادا کیا۔

ایک دن حاتم نے آرام کیا۔ دوسرے دن پھر سفر کے لیے کمر کس لی۔ اِس بار اسے پری شاہ کے مہرے کی تلاش تھی۔ سمجھ رہا تھا کہ دیووں کا بادشاہ اس کا صحیح پتہ بتا سکے گا اس لیے اُسی غار کے دہانے پر پہنچا جس میں پہلے داخل ہو کر دیووں کے بادشاہ تک پہنچا تھا۔ اِس بار آسانی سے وہاں جا پہنچا۔ بادشاہ پہچان گیا اور اس نے بڑی عزت سے حاتم کو بٹھایا۔ آنے کا سبب پوچھا۔ حاتم نے کہا۔ ''مجھے پری شاہ کے مہرے کی تلاش ہے۔ آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ کسی طرح مجھے پری شاہ کے ملک تک پہنچایئے۔'' بادشاہ نے کہا ''اے حاتم! تو کیسی نادانوں کی سی باتیں کرتا ہے۔ کسی دیو یا کسی انسان کی مجال نہیں

کہ پری شاہ کے ملک تک پہنچ سکے۔ اس بار خیال کو دل سے نکال دے ورنہ مفت میں اپنی جان گنوائے گا۔'' حاتم نے کہا ''میں اس خیال سے باز آنے والا نہیں۔ میرا نام حاتم ہے۔ میں کسی کی مدد کرنے کے لیے اللہ کا نام لے کر گھر سے نکلا ہوں۔ اب یہ ممکن نہیں کہ تکلیفوں سے ڈر کے گھر لوٹ جاؤں۔''

دیوؤں کے بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ حاتم دھن کا پکا ہے۔ کسی طرح نہ مانے گا۔ اس نے چند دیو حاتم کے ساتھ کر دیے اور ان سے کہہ دیا کہ ''حاتم کو پری شاہ کی سرحد تک پہنچا دینا۔ خود اندر نہ جانا بلکہ وہیں رک کر حاتم کی واپسی کا انتظار کرنا۔''

حاتم دیوؤں کے ساتھ روانہ ہوا اور کچھ ہی دن میں پری شاہ کی سرحد کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں دیوؤں سے رخصت ہو کر سرحد کے اندر داخل ہوا۔ اندر پہنچتے ہی پری زادوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور گردن میں طوق ڈال کر گرفتار کر لیا۔ پوچھا ''تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟'' حاتم گونگا بن گیا۔ کوئی جواب نہ دیا۔ انھوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ پھر لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی۔ آگ بھڑک اٹھی تو حاتم کو اس میں جھونک دیا۔

حاتم تین دن تک اُس بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑا رہا۔ لیکن مہرے کی وجہ سے اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ آگ ٹھنڈی پڑ گئی تو حاتم اٹھ کھڑا ہوا اور آگے چلا۔ تھوڑی دیر میں پھر پری زادوں نے آ گھیرا۔ اِس بار انھوں نے اسے اتنی زور سے اٹھا کر پھینکا کہ یہ کوسوں دور دریائے شور میں جا گرا۔ وہاں ایک گھڑیال نے اسے نگل لیا۔ یہاں بھی مہرے نے اس کی مدد

کی۔ آخر تنگ آ کر گھڑیال نے اسے اگل دیا۔ حاتم نے کپڑے سکھائے اور آگے بڑھ گیا۔ آگے جا کر پھر پری زاد مل گئے۔ حاتم کے بہت کہنے سننے پر انھوں نے اسے کوئی سزا نہ دی مگر بادشاہ کو لکھ کر بھیج دیا۔ حاتم نے یہ بھی لکھوا دیا کہ یہ آدم زاد آپ سے ملنے کی خواہش رکھتا ہے۔

بادشاہ نے لکھا ''اس آدم زاد کو فوراً ہماری خدمت میں حاضر کرو۔'' جواب ملتے ہی پری زادوں کا غول حاتم کو لے کر بادشاہ کے محل کی طرف چلا۔ آدم زاد کے آنے کی خبر چاروں طرف پھیل گئی۔ مینا کی بیٹی حُسنا پری تک بھی خبر پہنچی کہ ایک آدم زاد یہاں آیا ہے جو حسن اور بہادری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اُسے حاتم کے دیکھنے کا بہت اشتیاق ہوا۔ حاتم کو لیے پری زادوں کا لشکر جس راستے سے گزرنے والا تھا، اس کے پاس

ہی حسنا پری کا ایک باغ تھا۔ دل میں سوچا وہاں جا رہو اور کسی ترکیب سے حاتم کو وہاں پکڑوا کر بلوا لو۔

یہ سوچ کر ماں کے پاس گئی اور اُس سے اجازت مانگی۔ پھر اپنی ہم جولیوں کو لے کر باغ میں جا پہنچی۔ وہاں پہنچ کر اپنی ہمجولیوں سے کہا کہ ''اُڑتی ہوئی جاؤ اور اُس آدم زاد کا پتہ لگاؤ۔'' وہ فوراً اڑ گئیں۔ لوٹ کر بتایا کہ ''دریائے قلزم کے چوکیدار اُسے بادشاہ کے پاس لیے جاتے ہیں اور وہ آدم زاد واقعی ایسا خوبصورت ہے کہ چاند سورج بھی اُسے دیکھ کر شرماتے ہیں۔'' یہ سن کر حسنا کا اشتیاق اور بڑھا۔ فوراً حکم دیا ''جس طرح بنے اسے پکڑ کر یہاں لے آؤ۔''

پریاں فوراً وہاں جا پہنچیں اور موقع کی تلاش میں رہیں۔ آدھی رات ہوئی تو چوکیدار اُونگھ گئے۔ پریوں نے حاتم کو بیہوش کیا اور باغ میں لے آئیں۔ حسنا پری نے اُسے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ جیسا سنا تھا اُس سے بھی زیادہ پایا۔ دل میں طے کرلیا اب اسے یہاں سے نہ جانے دوں گی۔ ذرا دیر میں حاتم ہوش میں آ گیا۔ آنکھ کھلی تو پری پر نظر پڑی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ماجرا ہے۔ پوچھا ''تم کون ہو اور میں یہاں کس طرح آیا؟'' حسنا پری نے جواب دیا ''اے آدم زاد! یہ باغ مینا پری زاد کا ہے۔ میں اُس کی بیٹی ہوں۔ حسنا پری میرا نام ہے۔ تیرے حسن اور تیری بہادری کے قصے سنے تو تجھے دیکھنے کو جی چاہا۔ اس لیے یہاں بلوالیا۔''

یہ جواب سن کر حاتم مسکرا دیا اور بولا ''اے حسین پری! تو نے میرا راستہ کھوٹا کیا۔ میں تو جلد سے جلد ماہ رو پری شاہ کے دربار میں پہنچنا چاہتا تھا۔'' حسنا پری نے پوچھا ''آخر کیوں، وہاں تیرا کیا کام تھا؟'' حاتم نے اپنے جانے کا مقصد بتایا تو وہ بولی ''اے آدم زاد! یہ کام آسان نہیں۔ وہاں تو فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔ بھلا تیری کیا مجال کہ وہاں پہنچ سکے۔ خیر مجھ سے تیرے لیے جو کچھ بن پڑے گا ضرور کروں گی۔''

اُدھر یہ ہوا کہ جب دریائے قلزم کے چوکیدار جاگے اور حاتم کو غائب پایا تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ چاروں طرف ڈھونڈا مگر وہ وہاں ہوتا تو ملتا۔ ماہ رو پری شاہ دیر سے حاتم کا منتظر تھا۔ وہ نہ پہنچا تو پتہ چلانے کو پری زاد بھیجے۔ انھوں نے واپس آ کر حاتم کے غائب ہونے کی اطلاع دی تو وہ آگ بگولا ہوگیا۔ چاروں طرف پیادے دوڑا دیئے کہ کسی طرح پتہ لگائیں۔ انھوں نے تھوڑے دنوں بعد آ کر اطلاع دی کہ حاتم کو حسنا پری نے اپنے باغ میں مہمان بنا رکھا ہے۔ یہ سن کر وہ آپے سے باہر ہوگیا۔ فوراً حکم دیا کہ مینا پری زاد، حسنا پری اور آدم زاد کو پکڑ لاؤ۔ مینا نے سپاہیوں کو دیکھا تو بہت گھبرائی اور فوراً چلنے کو تیار ہوگئی۔ اس کے بعد سپاہی باغ میں پہنچے۔ وہاں سے حسنا پری اور حاتم کو لیا اور سب کو ماہ رو پری شاہ کے سامنے پیش کر دیا۔

حسنا پری کو دیکھ کر بادشاہ کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ بہت بگڑا۔ پھر حاتم کی طرف مخاطب ہو کر بولا ''اے آدم زاد! تیری کیسے ہمت ہوئی کہ تو نے ہمارے ملک میں قدم رکھا؟'' حاتم نے کہا ''میں نے تیری بڑی تعریف سنی تھی۔ تجھے دیکھنے کا شوق مجھے یہاں کھینچ لایا۔'' اِس بات سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ بولا ''اگر تو ہمارا ایک کام کرے تو منہ مانگی مراد پائے۔ میرے ایک بیٹا ہے۔ مدت سے اس کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ یہاں تک کہ بینائی بھی جاتی رہی۔ ہو سکے تو اُس کا علاج کر۔'' حاتم نے اُسے بلوایا۔ وہ بیچارہ درد سے بے چین تھا۔ حاتم نے گھس کر مہرہ لگایا۔ درد فوراً جاتا رہا۔ حاتم نے بادشاہ سے کہا ''پردۂ ظلمات میں ایک پودا ہے۔ توریز اُس کا نام ہے۔ اُس کے رس کے چند قطرے منگا دے تو اس کی آنکھوں کی روشنی ابھی لوٹ

آئے۔'' بادشاہ نے درباریوں کی طرف دیکھ کر پوچھا ''تم میں سے کوئی یہ کام کرسکتا ہے؟'' مگر سب چپ رہے۔ آخر حسنا پری بولی ''یہ کام میں کروں گی۔'' بادشاہ کی اجازت پا کر وہ فوراً چلی گئی اور آٹھویں دن اس کا رس لے آئی۔ حاتم نے اسے لڑکے کی آنکھوں میں ٹپکایا تو آنکھیں تاروں کی طرح روشن ہوگئیں۔ بادشاہ خوشی میں آپے سے باہر ہوگیا۔ بولا ''اے آدم زاد! بول کیا انعام چاہیے؟''

حاتم نے فوراً کہا ''مجھے تیرا مہرہ چاہیے۔'' بادشاہ نے یہ سنا تو دھک سے رہ گیا۔ کہنے لگا ''اے آدم زاد! میں تجھے قول دے چکا ہوں۔ اس لیے مہرہ دینے سے انکار تو نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ بتا تو اس مہرے کا کرے گا کیا؟'' حاتم نے اسے ساری بات بتا دی۔ بادشاہ نے کہا ''خیر اس وقت تم مہرہ لے جاؤ مگر میں یہ مہرہ سوداگر کی بیٹی کے پاس چھوڑوں گا نہیں۔'' حاتم نے کہا ''یہ تو جان۔ میں تو صرف اپنا وعدہ پورا کرنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ سوداگر کی بیٹی کی شادی میرے دوست سے ہوجائے۔''

بادشاہ نے مہرہ حاتم کے حوالے کردیا۔ اس نے وہ مہرہ احتیاط سے بازو پر باندھ لیا۔ وہاں سے رخصت ہوکر تھوڑے ہی دنوں میں اپنی منزل پر پہنچ گیا اور وہ مہرہ حارس سوداگر کی بیٹی کے حوالے کردیا۔ مہرہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی۔ کہنے لگی ''اب میں تیری لونڈی ہوں۔ تو جو حکم دے وہ بجا لاؤں۔''

حاتم نے جواب دیا ''میری خواہش یہ ہے کہ تو سوداگر کے بچے سے شادی کرلے۔'' اس نے کہا ''جو تیری مرضی۔'' چند دنوں میں دونوں کی شادی ہوگئی۔ وہاں سے فارغ ہوکر حاتم حسن بانو کے سوال کا جواب لانے کے لیے روانہ ہوگیا۔ سفر کی مصیبتیں برداشت کرتا ہوا ایک دریا کے کنارے جا پہنچا۔ وہاں ایک شاندار محل بنا ہوا تھا۔ اس کے دروازے پر موٹے حرفوں میں لکھا تھا ''نیکی کر اور دریا میں ڈال'' حاتم یہ عبارت پڑھ کر بہت خوش ہوا اور عمارت کے پھاٹک کی طرف چلا۔

حاتم ابھی پھاٹک کے پاس پہنچ بھی نہ پایا تھا کہ دروازہ کھلا۔ چند خواص اندر سے نکل کر حاتم کے پاس آگئے اور بڑی عزت کے ساتھ اسے اندر لے گئے۔ وہاں جا کر حاتم نے دیکھا کہ ایک بزرگ تخت پر بیٹھے ہیں۔ بڑی نورانی صورت ہے۔ حاتم کو دیکھ کر تخت سے اٹھے اور اسے گلے لگا لیا اور اپنے پاس تخت پر جگہ دی۔ طرح طرح کے لذیذ کھانے منگوا کر حاتم کو کھلائے۔ کھانے سے فارغ ہوکر حاتم نے بزرگ سے پوچھا ''آپ کے محل کے دروازے پر جو عبارت لکھی ہے اُس کا کیا مطلب ہے؟''

بزرگ نے جواب دیا ''اے عزیز! میں کسی زمانے میں رہزن تھا۔ راستہ چلتوں کو لوٹنا میرا کام تھا۔ لیکن میرا ایک قاعدہ تھا کہ دو گھی چپڑی روٹیاں دریا میں ڈال دیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کام اللہ کے لیے کرتا ہوں۔ مدتوں یہی ہوتا رہا۔ ایک بار سخت بیمار پڑا۔ سُدھ بُدھ کی خبر نہ رہی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ

فرشتے مجھے کھینچے ہوئے دوزخ میں لے جا رہے ہیں۔ آخر دو فرشتوں نے آ کر کہا ''اسے جنت میں لے جاؤ۔'' جب مجھے جنت کے دروازے پر لے جایا گیا، وہاں کے داروغہ نے کہا ''اسے تم ابھی سے کیسے لے آئے۔ اس کی تو بہت عمر باقی ہے۔ اس نام کا دوسرا شخص ہے۔ اُسے لاؤ اور اسے واپس چھوڑ آؤ۔'' انھوں نے ایسا ہی کیا۔ راستے میں وہ دونوں فرشتے پھر ملے۔ انھوں نے کہا ''ہم وہ دو روٹیاں ہیں جو تو اللہ کے نام پر دریا میں ڈالا کرتا تھا۔'' پھر میں جاگ گیا اور اُسی دن سے رہزنی سے توبہ کر لی۔ جو کچھ میرے پاس تھا اس میں سے تھوڑا سا روک کر باقی سب اللہ کے نام پر لٹا دیا۔ دریا میں روٹیاں ڈالنا میں کبھی نہ بھولا۔ اب یہ ہوتا ہے کہ جب میں روٹیاں دریا میں ڈالتا ہوں تو دریا سے ایک ہاتھ نکلتا ہے اور وہ سو دینار میرے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ میں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرتا ہوں، باقی اللہ کے نام پر خیرات کر دیتا ہوں۔ اب میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور یہ سب اسی نیکی کی بدولت ہے جو میں کر کے دریا میں ڈال دیا کرتا تھا۔ اس لیے یہ عبارت لکھ کر میں نے اپنے دروازے پر لگا رکھی ہے۔''

حاتم نے بزرگ کا شکریہ ادا کیا اور اس سے اجازت لے کر شاہ آباد کا رخ کیا۔ چند ہی دن میں شاہ آباد پہنچ گیا۔ پہلے سرائے میں پہنچ کر اپنے دوست کو دلاسا دیا پھر حسن بانو کے محل میں جا کر اسے سفر کا حال سنایا اور اس سے تیسرا سوال دریافت کیا۔ حسن بانو نے پہلے تو حاتم کی ہمت کی داد دی پھر کہا ''اے جواں مرد مصیبت کے ماروں کے ہمدرد! میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص جنگل میں کھڑا کہتا ہے — ''کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا وہی پائے گا۔'' یہ پتہ لگا کہ وہ ایسا کیوں کہتا ہے۔'' حاتم نے کہا ''اچھا، میں دو چار دن میں اس سوال کا جواب لانے کے لیے روانہ ہوتا ہوں۔''

(جاری)

■

ماخذ: حاتم طائی کا قصہ، مرتب: نورالحسن نقوی،
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

جوابات

(1) عمر	(12) ایک گھنٹہ
(2) چار۔د۔ن۔ی۔ا	(13) فروری
(3) تمھارا نام	(14) نقطے
(4) غلط	(15) ڈاکٹر
(5) نہیں	(16) ط سے طاعون
(6) ک۔عین ک	(17) خ۔خط
(7) پیڑا	(18) قدم
(8) پڑی	(19) ماچس کی تیلی
(9) ر۔ہٹا دیں گے	(20) نقطے
(10) اسفنج	(21) نقطے
(11) تین	(22) گھنٹہ کی سوئی۔ گھڑی

کہکشاں

چمن چمن کے پھول

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کر وبیاں
(درد)

میں نے سمجھا تھا سارے انسان ہیں
یاں تو ہندو ہیں یا مسلمان ہیں
(دھرمیندر سرمست)

اپنے منصب سے انسان تو گر گیا
اور پتھر اُبھر کر خدا ہوگئے
(جوش)

کروڑوں سال سے یوں تو ہے آدمی کا وجود
نگاہ اب بھی ترستی ہے آدمی کے لیے
(بیدی)

جن خطروں سے انسان کو ڈرایا ہے خدا نے
ان سب سے خطرناک خود انساں ہے ابھی تک
(نامعلوم)

ختم ہوتی جارہی ہے آدمیت شہر سے
خصلتیں دیکھو تو انسان بھیڑیے سے کم نہیں
(اشوک)

عرش تک ہو نہ سکتی، جو رسائی نہ سہی
یہی انساں کی ہے معراج کہ انساں ہوجائے
(جگر)

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
(میر درد)

خون پھر پینے لگا ہے آدمی کا آدمی
پھر سے نازل دہر پر قہرِ خدا ہوجائے گا
(مدہوش بلگرامی)

اٹھو اردو کے دیوانو، ذرا بیدار ہوجاؤ
بھنور سے اپنی کشتی کو بچا کر پار ہوجاؤ
(نشاط کشتواڑی)

مغرب کی وادیوں میں مشرق کی محفلوں میں
ہر سمت نغمہ خواں ہے اردو زباں ہماری
ہر شعبۂ ادب پر اردو کا ہے تسلط
دنیا پہ حکمراں ہے اردو زباں ہماری
اک حسنِ جاوداں ہے اک رنگِ بے خزاں ہے
ہر لحظہ نوجواں ہے اردو زباں ہماری
سو بولیوں کو اس نے آغوش میں لیا ہے
اب ہر زباں کی ماں ہے اردو زباں ہماری
(خاموش سرحدی)

ممکن نہیں ہے کہ اس کو تعصب مٹا سکے
جو دل کو دل سے جوڑ دے اردو زباں ہے وہ
(گلشن خطائی)

محراج الدین

اچھی باتیں

- ❖ تین چیزوں سے محبت کرو
  شجاعت ۔ شرافت، الفت
- ❖ تین چیزوں کی قدر کرو
  ذہن، لیاقت، خوشی
- ❖ تین چیزوں سے نفرت کرو
  غم، غرور، بے وفائی
- ❖ تین چیزوں کی عزت کرو
  مذہب، انصاف، انکساری
- ❖ تین چیزوں کو حقارت سے دیکھو
  کمینہ پن، ظاہرداری، غصہ
- ❖ تین چیزوں کی تمنا کرو
  ایمان، امن، قلب کی صفائی
- ❖ تین چیزوں کا اعتبار مت کرو
  خوشامد، دورنگی، فوری محبت
- ❖ تین چیزوں کو بڑھاؤ
  اچھی کتابیں، اچھے کام، اچھے دوست
- ❖ تین چیزوں پر قابو رکھو
  غصہ، غرض، زبان

■

Peerzada Mehrajuddin
Post Office: Sallar - 192402 (J&K)

ضیاء عالم

اقوالِ زرّیں

1. تعلیم کی جڑ کا ذائقہ کڑوا ہے لیکن پھل بہت میٹھا ہوتا ہے۔ (ارسطو)
2. بہتر خیرات تعلیم ہے۔ (حضرت سلمان)
3. دولت کی حفاظت تم کرتے ہو علم تمھاری حفاظت کرتا ہے۔ (حضرت محمدؐ)
4. علم پر خرچ کیا پیسہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ (گاندھی جی)
5. علم اُمید کی زینت غریب کی دولت ہے۔ (حضرت علیؓ)
6. علم سے اخلاق آتے ہیں۔ (نپولین)
7. علم انسان کا بہترین دوست ہے۔ (ٹیگور)
8. علم تمھاری ایسی حفاظت کرتا ہے جیسے ماں بچے کی۔ (حضرت خواجہ سراج الدین)

خودی ہے علم میں محکم تو غیرت جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

(علامہ شیخ محمد اقبال سیالکوٹ)

■

Zia Alam Kosgavi
Hyderabad

انتخاب بن تنویر

انوکھے میوزیم (عجائب گھر)

(1) شنکر انٹرنیشنل ڈال میوزیم (دلّی)

قیام: اس میوزیم کا قیام مشہور کارٹونسٹ کے شنکر پلئی نے 30 نومبر 1965 کو کیا تھا۔

خاصیت : یہ دنیا کے سب سے بڑے میوزیم میں سے ایک ہے۔ اس میوزیم کی شروعات ایک ہزار گڑیوں سے ہوئی تھی، لیکن آج یہاں 85 ممالک کی تقریباً 6500 گڑیوں کا کلیکشن دیکھا جاسکتا ہے۔

(2) انڈین میوزیم (کولکاتا)

قیام: اس میوزیم کا قیام ڈاکٹر ناتھ نیل والیک نے 2 فروری 1814 میں کیا تھا۔

خاصیت : یہ ہندوستان کا سب سے پرانا میوزیم ہے۔ اس میں پرانے زمانے کی چیزیں، جنگی اسلحے اور سامان، زیورات، سکّے، ممیاں، ہڈیوں کے ڈھانچے، باقیات (فاسلس) اور پینٹنگ کا کلیکشن ہے۔

(3) نیول ایوی ئیشن میوزیم (گووا)

قیام: اس میوزیم کا افتتاح اکتوبر 1998 میں کیا گیا تھا۔

خاصیت : یہ ہندوستان کا واحد بحری افواج کے ہوائی جہازوں کا میوزیم ہے۔ اس میں مختلف اقسام کے لڑاکا جہاز، فوج کے ہتھیار، پن ڈُبّی (آبدوز) اور بحری جہاز وغیرہ دیکھے جاسکتے ہیں۔

(4) نیشنل ریل میوزیم (دلّی)

قیام: یکم فروری 1977 میں برطانوی معمار ایم. جی. بیٹو نے اس کا قیام عمل میں لایا تھا۔

خاصیت : یہاں پر ریل انجنوں کے کئی ایک ماڈل اور کوچ

ہیں، جن میں بھارت کی پہلی ریل اور انجن کا ماڈل بھی ہے۔ اس میوزیم میں ہندوستان کی نایاب پرانی ریل گاڑیاں رکھی گئی ہیں۔ بچوں کے لیے کھلونا ریل گاڑی (Toy Train) بھی ہے۔

(5) شوالِک فاسل پارک (ہماچل پردیش)

قیام: 23 مارچ 1974 میں اس کا افتتاح کیا گیا۔

خاصیت : یہاں پرانے جانوروں کے باقیات (Fossil) دیکھی جا سکتی ہیں جو یہاں کے علاقوں میں پائے جاتے تھے اب وہ ختم ہو چکے ہیں۔

(6) میڈم تساد میوزیم (لندن)

قیام: لندن میں بنایا گیا موم کی مورتیوں کا یہ میوزیم پوری دنیا میں مشہور ہے۔ اس کو 1835 میں آرٹسٹ میڈم تساد (Madame Tassauds) نے قائم کیا تھا۔

خاصیت : یہاں چارسو سے زیادہ موم کی مورتیاں ہیں، جو اتنی

جاندار لگتی ہیں کہ کبھی کبھی دیکھنے والوں کو بھرم ہو جاتا ہے۔ اس میوزیم کی شاخیں ایمسٹرڈم، لاس ویگاس، نیو یارک، ہانگ کانگ، بینکاک، سنگاپور اور شنگھائی میں بھی ہیں۔ جلد ہی نئی دہلی میں بھی اس کی شاخ کھلنے والی ہے۔ حال ہی میں وزیر اعظم ہند، نریندر مودی کی موم کی مورتی بھی میڈم تساد کے سنگاپور، ہانگ کانگ اور بینکاک کے میوزیم میں لگائی گئی ہے

(7) بیواچ ویکس میوزیم (کنیا کماری)

قیام: 24 دسمبر 2006 کو اس کا قیام عمل میں آیا۔

خاصیت : یہ ہندوستان کا پہلا ویکس (موم) میوزیم ہے۔ لیکن یہ لندن کے میڈم تساد میوزیم جتنا بڑا نہیں ہے۔ اس میوزیم میں موم کی مورتیاں رکھی گئی ہیں۔ مدر ٹیریسا، مہاتما گاندھی جیسی بڑی ہستیوں کی موم کی مورتیاں اس میوزیم میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

■

Intekhab Bin Tanweer
59, Chuna Shah Colony, P.O: Mango
Jamshedpur - 831012 (Jharkhand)

ہماری زبان

دوستو! ہم سب اِس بات سے واقف ہیں کہ اردو بے حد شیریں زبان ہے اور ساری دنیا میں مقبول ہے۔ اردو جاننے اور بولنے والے کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن درست اردو اور صحیح اردو جاننا بھی ہمارے لیے ضروری ہے۔ اِس کالم کے تحت ہم روزمرہ میں اردو کے استعمال سے متعلق کچھ کارآمد چیزیں پیش کریں گے جسے یقیناً آپ سب پسند کریں گے۔ (ادارہ)

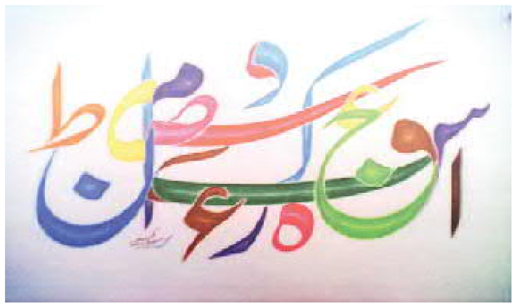

اِن الفاظ میں 'ال' لکھا اور پڑھا جاتا ہے

قمرالاسلام	ابوالفضل	عبدالحکیم	عبدالمنان
عبدالحمید	عبدالکریم	عبدالمجید	فی الفور
بوالہوس	ضرب المثل	عدیم الفرصت	فی الحال
شمس العلماء	خادم الاطباء	اشرف المخلوقات	ناقص العقل
ابوالخطیب	ابوالاعلیٰ	ابوالقاسم	عبدالواحد
فارغ البال	بیت المقدس	ابوالعرفان	

اِن الفاظ میں واؤ لکھا جاتا ہے پڑھا نہیں جاتا

خود	خواہ	خواجہ	خیرخواہ	خودسر
خودکشی	خودرائے	خواندگی	خواستگار	تنخواہ
خوار	خوش	خواب	خواندہ	خواہر
خاطرخواہ	درخواست	خورد		

اِن الفاظ میں دوسری حرکت یعنی تنوین کا استعمال ہوتا ہے

عموماً	مجبوراً	دفعتہً	مجازاً	نسلاً بعد نسلٍ
فوراً	جبراً	قطعاً	قصداً	تقریباً
قیاساً	غالباً	تخمیناً	عقلاً	اتفاقاً
اصولاً	مختصراً	سہواً	مقابلتہً	نسبتہً

وہ الفاظ جن کے آخر میں ی پر کھڑا الف لکھا جاتا ہے

ادنیٰ	اعلیٰ	عیسیٰ	موسیٰ	طوبیٰ
یحییٰ	مرتضیٰ	علیٰ	عقبیٰ	سدرۃ المنتہیٰ
دعویٰ	فتویٰ	تقویٰ	تحت الثریٰ	

ان الفاظ کے بیچ میں 'واؤ' آتا ہے

آمد ورفت	شیر وشکر	طعن وتشنیع	خط وکتابت
امیر وغریب	خیر وشر	خواب وخیال	بود وباش
پند ونصائح	بحر وبر	جن وانس	صنعت وحرفت
کم وبیش	نشیب وفراز	نظم ونسق	عیب وہنر
خرید وفروخت	لہو ولعب	غم وغصہ	حزن وملال
رنج والم	شب وروز	آہ وزاری	آب وہوا

■

ادارہ

عبدالقیوم

سوالات

(1) وہ کون سی چیز ہے جو دن بدن گھٹتی رہتی ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ بڑھ رہی ہے؟

(2) دنیا میں کل کتنے حروف ہیں؟

(3) تمھاری وہ کون سی چیز ہے جس کو تم سے زیادہ دوسرے استعمال کرتے ہیں؟

(4) وہ کون سا لفظ ہے جس کو سب غلط پڑھتے ہیں؟

(5) وہ کون سا لفظ ہے جسے تم دیکھ کر نہیں پڑھتے ہو؟

(6) عینک میں عین کے بعد کون سا حرف ہے؟

(7) وہ کون سی مٹھائی ہے جس میں سے پیڑ نکل آتا ہے؟

(8) وہ کون سی چیز ہے جس کو آدھی کھالو تو بھی پوری ہی رہتی ہے؟

(9) کیا ترکیب کی جائے کہ بندر بند ہو جائے؟

(10) وہ کون سی چیز ہے جس میں بہت سے سوراخ ہونے کے باوجود پانی رُکا رہتا ہے؟

(11) گھوڑے کے دو آگے گھوڑے، گھوڑے کے دو پیچھے گھوڑے، آگے گھوڑے پیچھے گھوڑے، بولو کتنے گھوڑے؟

(12) ایک رومال ایک گھنٹہ میں سوکھتا ہے تو دس رومال سوکھنے کے لیے کتنے گھنٹے لگیں گے؟

(13) کس انگریزی مہینے میں عورتیں سب سے کم بات چیت کرتی ہیں؟

(14) وہ کیا چیز ہے جو پیڑ میں پانچ اور ہاتھ میں دو ہے؟

(15) بیماری سے کون خوش ہوتا ہے؟

(16) طاعون کی ابتداء کس سے ہوتی ہے؟

(17) تم کو خط لکھنا ہے۔ سب سے پہلے کیا لکھو گے؟

(18) اگر تم بازار سے ایک ڈبے میں گھی، رومال میں شکر اور تھیلی میں ترکاریاں لے کر گھر میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے تم گھر میں کیا رکھو گے؟

(19) ایک میز پر موم بتی، قندیل، اسٹوو ترتیب سے رکھے ہوئے ہیں۔ ماچس کی ڈبیہ میں ایک ہی تیلی ہے۔ تینوں کو جلانا ہے تو سب سے پہلے تم کیا جلاؤ گے؟

(20) کیا چیز قمیص میں چار لگائی جاتی ہے کرتے میں دو اور شیروانی میں چھ؟

(21) دن میں ایک ہی ہے اور رات میں دو ہے، بتاؤ کیا؟

(22) وہ کیا ہے جو پوری رفتار سے چلنے کے باوجود پانچ منٹ کا سفر ایک گھنٹہ میں طے کرتی ہے؟

■

Abdul Qayyum Master
2258, Qassab Bara, Gali No.:7
Dholia - 424001 (Maharashtra)

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

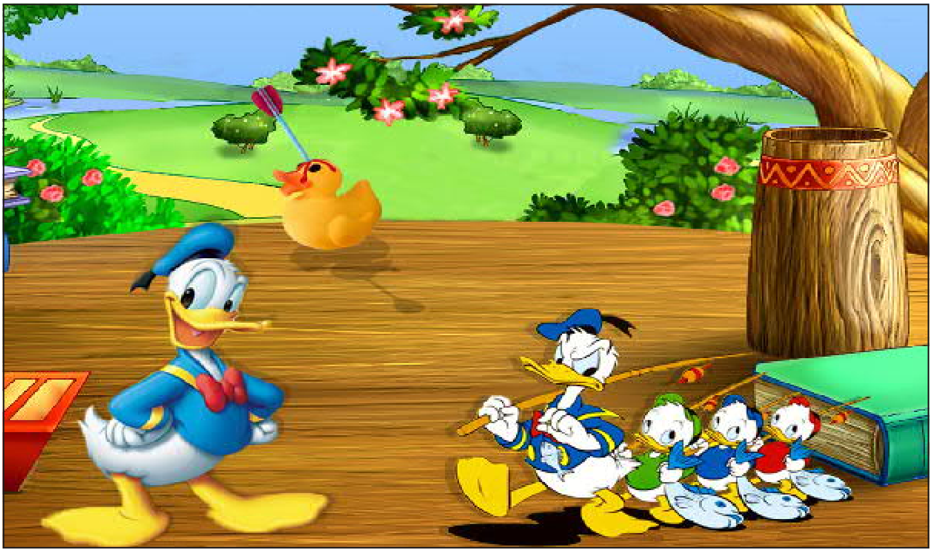

جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

ہنسی کے غبارے

ادبی لطائف

مرزا غالب رمضان کے مہینے میں دہلی کے محلے قاسم جان کی ایک کوٹھری میں بیٹھے پچیسی کھیل رہے تھے۔ میرٹھ سے ان کے شاگرد شیفتہ دہلی آئے، تو مرزا صاحب سے ملنے گلی قاسم جان آئے۔ انھوں نے دیکھا کہ رمضان کے متبرک مہینے میں مرزا پچیسی کھیل رہے تھے۔ انھوں نے اعتراض کیا: ''مرزا صاحب ہم نے سنا ہے کہ رمضان میں شیطان بند کردیا جاتا ہے۔ شیفتہ صاحب آپ نے ٹھیک سنا ہے۔ شیطان جہاں قید کیا جاتا ہے، وہ کوٹھری یہی ہے۔'' مرزا غالب نے جواب دیا۔

مرزا غالب قید فرنگ میں کئی سال گزار کر سلامتی سے واپس آئے، تو ان کا قیام کالے میاں صاحب کے گھر ہوا۔ یہ بہادر شاہ ظفر کے مرشد زادے اور شیخ فخر الدین چشتی کے فرزند زادے تھے۔ کسی نے مرزا غالب کو رہائی کی مبارک باد دی تو کہنے لگے ''کون قید سے رہا ہوا ہے؟ پہلے گورے کی قید میں تھا، اب کالے کی قید میں ہوں۔''

مرزا غالب شطرنج کے بڑے شوقین تھے۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری دہلی میں نئے نئے آئے تھے۔ غالب کو پتہ چلا کہ وہ بھی شطرنج کے اچھے کھلاڑی ہیں تو انھیں دعوت دی اور کھانے کے بعد شطرنج کی بساط بچھا دی۔ ادھر سے کچھ کوڑا کرکٹ ڈھونے والے گدھے گزرے تو مولانا نے کہا ''دہلی میں گدھے بہت اچھے ہیں!'' مرزا غالب نے سر اٹھا کر دیکھا اور بولے ''ہاں بھائی، باہر سے آجاتے ہیں۔''

''مرزا اسداللہ خاں غالب نے ایک دفعہ کسی دوست سے کہا ''میرے پاؤں میں درد ہو رہا ہے۔''

دوست نے کہا ''دبا دیتا ہوں۔''

غالب نے کہا ''کیوں شرمندہ کرتے ہو؟''

دوست نے کہا ''کوئی بات نہیں، اجرت دے دیجیے گا۔''

پاؤں دبا کر دوست نے مذاقاً کہا ''لائیے اجرت کے پیسے دیجیے۔''

غالب نے جواب دیا ''میاں کیسی اجرت، تم نے ہمارے پاؤں دبائے، ہم نے تمھارے پیسے دبائے۔ حساب برابر ہوگیا۔''

غدر کے بعد مرزا غالب بھی قید ہوگئے۔ ان کو جب وہاں کے کمانڈنگ آفیسر کرنل براؤن کے سامنے پیش کیا گیا تو کرنل نے مرزا کی وضع قطع دیکھ کر پوچھا۔

ویل، ٹم مسلمان ہے۔

مرزا نے کہا، جناب، آدھا مسلمان ہوں۔

کرنل بولا: کیا مطلب؟

مرزا نے کہا، جناب شراب پیتا ہوں، سور نہیں کھاتا۔

■ روبینہ ساگر روبی

غلطی کا احساس

مغرب کا وقت تھا۔ سورج اپنی نارنجی کرنیں سمیٹے غروب ہو رہا تھا۔ صحن میں لگے بیری کے درخت پر ڈھیروں چڑیاں بیٹھی چہچہا رہی تھیں۔ اُسید اپنے گھر کی چھت کے اوپر کھڑا شور مچاتی چڑیوں کو بڑی غور سے دیکھ رہا تھا اور پھر اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی غلیل سے تاک کر نشانہ لگایا۔ جو سیدھا درخت پر بیٹھی چڑیوں کو جا لگا تھا۔ کچھ چڑیاں پھر پھڑاتی ہوئی اڑ گئی تھی۔ معصوم پرندوں کو غلیل کا نشانہ بنانا اُسید کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس کی امی اسے اکثر سمجھاتی کہ معصوم و بے زبان پرندوں کو ستانا گناہ ہے لیکن اُسید کے کان پر جوں تک نہ رینگتی وہ اپنی امی کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتا۔

موسلا دھار بارش ہو کر تھم چکی تھی۔ درخت، پیڑ، پودے خوب مزے سے جھوم رہے تھے۔ صحن میں ایک طرف پڑے مٹی کے ڈھیر پر اُسید نے کچھ دانے ڈال دیے۔ تبھی ایک چڑیا وہاں آئی اور دانہ چگنے لگی۔ اُسید نے دیکھا کہ گیلی مٹی کے باعث چڑیا کے پیر اندر دھنس گئے تھے جس کی وجہ سے اس سے ٹھیک سے پھدکا نہیں جا رہا تھا۔ تبھی اُسید نے پاس پڑا ڈنڈا اٹھا کر چڑیا کو دے مارا، چڑیا جگہ پر ہی مر گئی، دانہ اب بھی اس کے منہ میں تھا۔ اُسید نے مری ہوئی چڑیا کو اٹھا کر باہر پھینک دیا اور دوستوں کے ساتھ کھیلنے چلا گیا۔

جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا شام ڈھل رہی تھی۔ آج بھی چڑیا بیری کے درخت پر بیٹھی شور مچا رہی تھی۔ اُسید کی نظر ایک ڈال پر بیٹھی تنہا چڑیا پر پڑی۔ اس نے اپنی جیب میں سے غلیل نکالا اور نشانہ لگایا۔ پتھر سیدھا جا کر چڑیا کی داہنی ٹانگ پر لگا۔ اس کی ٹانگ سے خون رس رہا تھا۔ اڑنے کی کوشش میں وہ بار بار پھڑ پھڑا کے رہ جاتی پھر ایک دم وہ نیچے گر گئی۔ اُسید یہ دیکھ کر گم صم ہو گیا۔ آج اس کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو جاری ہو گئے۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ وہ اللہ سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے لگا۔

کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے چڑیا کو اٹھایا پھر اس کی مرہم پٹی کی۔ اب وہ دن رات چڑیا کی دیکھ بھال کرتا۔ کچھ ہی دنوں میں وہ ٹھیک ہو گئی اور اڑنے لگی تھی۔ ایک دن پھر اسید نے اسے کھڑکی کھول کر اڑا دیا۔ چڑیا تیزی سے اڑتی ہوئی بیری کے درخت پر جا بیٹھی۔ اُسید نے دیکھا ننھی چڑیا اس کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو تم نے مجھ پر ظلم کر کے رحم کیا خدا بھی تم پر رحم کرے گا۔ اُسید کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو۔ اُس نے شرارت سے توبہ کر لی تھی اور اپنے کیے پر بہت شرمندہ تھا۔ آج اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

■

Rubina Sagar Rubi
Hirapura Near Masjid Darus Salam
A.C.F. Company, Iqbal Kirana, Achalpur City

مومن لائبہ

کتنے پیالے پانی

اکبر بادشاہ کے دربار میں کئی وزیر تھے۔ اُن میں ایک بیربل بھی تھے جو بہت عقلمند تھے۔ ان کی عقل مندی کے کئی قصے مشہور ہیں۔ بادشاہ انھیں آزمانے کے لیے اکثر عجیب عجیب سوال کرتے۔ بیربل بڑے حاضر جواب تھے۔ وہ ہر سوال کا ایسا جواب دیتے کہ سب واہ واہ کرنے لگتے۔

ایک دن بادشاہ اپنے باغ میں حوض کے کنارے بیٹھے تھے۔ حوض میں رنگ برنگی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ بادشاہ کو بڑا مزہ آرہا تھا۔ بادشاہ کے ساتھ ان کے بہت سے وزیر بھی مچھلیوں کے تیرنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

اچانک بادشاہ کو مذاق سوجھا۔ انھوں نے وزیروں سے کہا اگر کوئی یہ بتا دے کہ اس حوض میں کتنے پیالے پانی ہے تو اسے ہم ایک ہزار اشرفیاں انعام میں دے دیں گے۔

وزیر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ کیا جواب دیں؟ اتنے بڑے حوض کے پانی کو کس پیالے سے ناپا جائے؟ ایسا پیالہ کہاں ملے گا؟

بادشاہ نے وزیروں پر نظر ڈالی۔ سب نظریں جھکائے خاموش کھڑے تھے۔ ایک طرف بیربل بھی کھڑے نظر آئے۔ بادشاہ مسکرائے انھوں نے بیربل کو چھیڑتے ہوئے کہا ''کیوں بیربل! تم تو بہت عقل مند ہو اتنے معمولی سوال کا جواب نہیں دے سکتے؟''

بیربل نے کہا حضور! یہ سوال آپ نے سب سے پوچھا ہے پہلے اور لوگ اس کا جواب دیں۔ بندہ سب سے آخر میں جواب دے گا۔

ایک وزیر نے کہا بیربل! ہم سب کی طرف سے آپ ہی اس سوال کا جواب دیجیے۔ بیربل نے سب کی اجازت پا کر بادشاہ سے کہا۔ حضور! پہلے یہ بتایئے پانی ناپنے کا پیالہ کتنا بڑا ہوگا؟ بادشاہ نے کہا آپ جتنا بڑا پیالہ لینا چاہیں لے لیجیے۔ بیربل نے جواب دیا پھر جواب سنیے حضور! اگر پیالہ آدھے حوض کے برابر ہوگا تو حوض میں دو پیالے پانی ہے۔ اگر چوتھائی ہوگا تو چار پیالے اگر پیالہ حوض کا ہزار حصے ہوں گے تو ہزار پیالے پانی ہوگا۔ آپ چاہیں تو پیالہ منگوا کر پانی ناپ سکتے ہیں۔

بیربل کا یہ جواب سن کر بادشاہ لاجواب ہوگئے اور ان کو ہزار اشرفیاں انعام میں دیا اور وزیروں نے واہ واہی کی۔

''حاضر دماغ بیربل کی طرح ہونا چاہیے کیونکہ وہ ہر سوال کا جواب بہت جلد اور حاضر دماغی کے ساتھ دیتا ہے۔ ہمیں بھی ہر وقت حاضر دماغ رہنا چاہیے۔''

■

Momin Laiba Zaid Ahmad
House No.: 926, Chandanpuri Gate, Malegaon

اسما فاروق منیار، درجہ: ہفتم، سبھاش نگر، اردو اسکول

مینا زبی مظفر، درجہ ہفتم، ضلع پریشد اردو اسکول، سبھاش نگر، شیر پور

اعظم ہاشمی بن عالم ہاشمی، درجہ چہارم، آلمائٹی کیمبرج اسکول، ملیٹھی، ضلع لکھنؤ، یوپی

اقرا عابد، درجہ: پنجم، ضلع پریشد اردو اسکول، سبھاش نگر، تعلقہ شیر پور

زینیرا ایس کے ہارون، درجہ پنجم، یاول

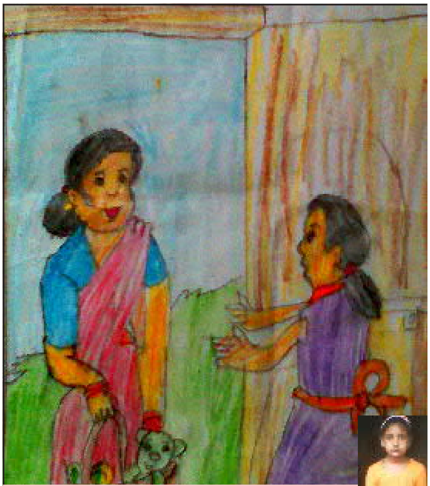

ریشم، درجہ: چہارم، آلمائٹی کیمبرج اسکول، ملیٹھی ضلع لکھنؤ، یوپی

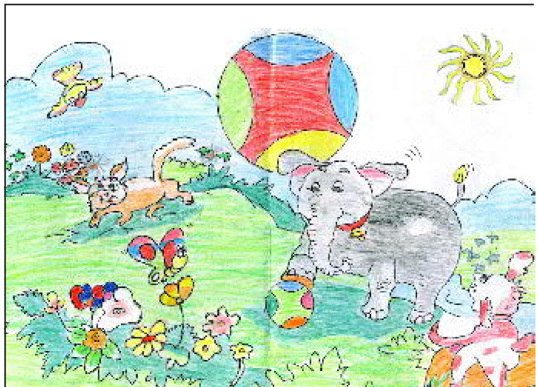

فاطمہ شریف کھاٹک، درجہ: ہفتم، ضلع پریشد اردو اسکول سبھاش نگر، تعلق شیر پور

نرگس رحیم، درجہ ہفتم، ضلع پریشد اردو اسکول، سبھاش نگر تعلقہ شیر پور

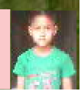

محمد توصیف بن محمد اسلام، درجہ: دوم،
آلمائیٹی کیمبرج اسکول، امیٹھی، ضلع لکھنؤ، یوپی

ثیبزا امیراس سید اسد علی، درجہ ہشتم اے، بارسی ٹاکلی، اکولہ، مہاراشٹر

محمد افضال بن محمد راشد، درجہ ہائی اسکول، فرحین پبلک ہائی اسکول، حسین آباد لکھنؤ

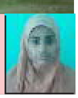

صفیہ بن ڈاکٹر محمد شاہد علی ندوی، درجہ: پنجم سی،
مفتی گنج انٹر کالج، حسین آباد، لکھنؤ

Facebook اردو فیس بک

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جب میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تو ایسا لگا کہ اللہ رب العزت نے میری دلی مراد پوری کردی ہو اور واقعی یہ رسالہ میری خواہش کے مطابق ہے۔ یہ رسالہ مجھے بہت پسند ہے اور اس کے رنگین اوراق اور سبق آموز کہانیاں نظمیں، بچوں کی پینٹنگز اور پیٹ میں بل ڈالنے والے لطیفے اور سائنس کی الف لیلہ وغیرہ مجھے بہت پسند آتے ہیں۔ اتنا اچھا رسالہ اور وہ بھی اتنی کم قیمت میں اور پھر اس میں ڈھیر ساری معلومات کا خزانہ جیسا کہ 'معلومات کی کسوٹی' اور دوسری بہت ساری سائنسی معلومات۔ یہ رسالہ اتنا اچھا ہے کہ میں پڑھائی بھی اتنی دلچسپی سے نہیں کرتی جتنا کہ میں اس رسالے کا مطالعہ کرتی ہوں۔

☆ عروسہ آپ کو سب سے پہلے اپنی پڑھائی پر دھیان دینا چاہیے۔ پڑھائی سے جب وقت نکلے تب 'بچوں کی دنیا' کو پڑھیں۔

ہاشمی عروسہ فردوس سید عارف ہاشمی، پٹھان محلّہ پاتھری ضلع پربھنی، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے، جب سے میں نے اس رسالے کو پڑھنا شروع کیا ہے میری اردو اچھی ہوگئی ہے، اس کی تمام کہانیاں عمدہ اور مضامین معلوماتی ہوتے ہیں۔ ہم بچوں کے لیے اتنا اچھا رسالہ جاری کرنے کے لیے مبارکباد!

شاداب فہیم، درجہ ہفتم، عالیہ بوائز ہائی اسکول

میرا نام محمد حمزہ ہے۔ میں یو کے جی میں پڑھتا ہوں۔ رسالہ 'بچوں کی دنیا' مجھے بہت پسند ہے۔ میں اپنے بھائی اور بہن کے ساتھ 'بچوں کی دنیا' پڑھتا ہوں۔ مجھے ڈرائنگ اور لطیفے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں اسے دیکھ کر ہی ڈرائنگ بناتا ہوں۔

محمد حمزہ، لٹل فلاور اسکول، غفار منزل، جامعہ نگر، نئی دہلی

میں آیوش پنڈت درجہ سوم کا طالب علم ہوں۔ اردو میں پڑھ لکھ نہیں سکتا کیونکہ ہمارے اسکولوں میں پڑھانے کا ذریعہ انگریزی ہے۔ یہاں ہندی تو پڑھائی جاتی ہے لیکن اردو نہیں۔ کاش اردو کو تیسری یا چوتھی زبان کا درجہ مل جاتا تاکہ ہم بھی اسے اپنا لیتے۔ میرے دادا جی شری بی این پنڈت ہی مجھے 'بچوں کی دنیا' پڑھ کر سناتے ہیں۔ اس رسالے کا فیس بک، ننھے فنکار، اہم سیاحتی مقامات، آپ کا دماغ کتنا تیز ہے، عام معلومات (GK)، ہماری زبان، بوجھو تو جانیں، ہنسی کے غبارے، ہمارا ہندوستان وغیرہ مجھے بہت پسند ہے، آپ کا دماغ کتنا ہے؟ کے لیے ایک صفحہ کم پڑتا ہے۔ اس میں اضافہ کرنے کی گذارش ہے۔

آیوش پنڈت

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

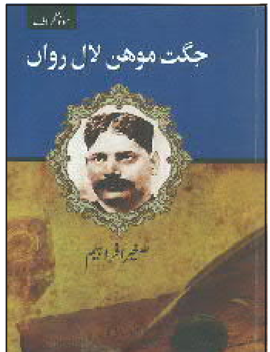

صفحات:146، قیمت: 86 روپے

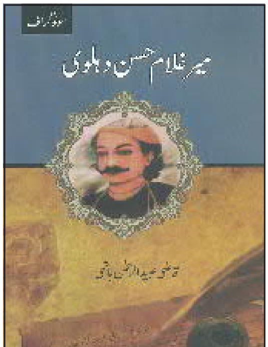

صفحات:128، قیمت: 77 روپے

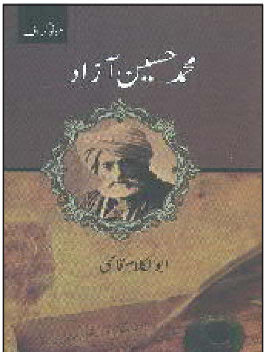

صفحات: 152، قیمت: 85 روپے

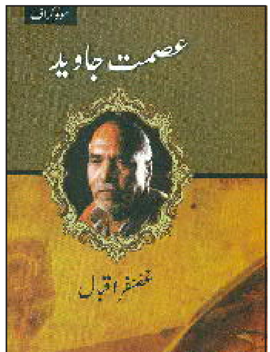

صفحات:102، قیمت: 68 روپے

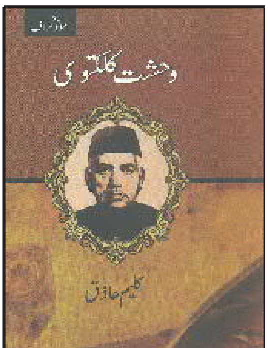

صفحات:140، قیمت: 82 روپے

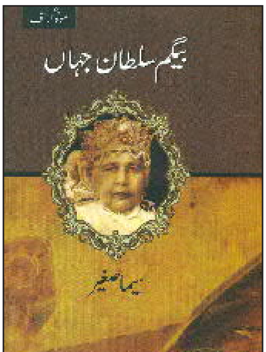

صفحات:144، قیمت:83 روپے

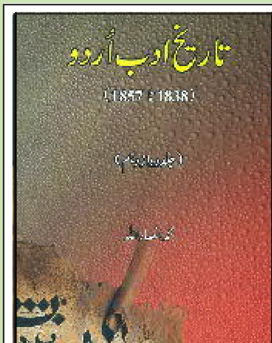

صفحات: 572، قیمت 243 روپے

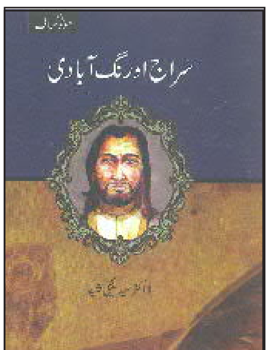

صفحات: 129، قیمت: 78 روپے

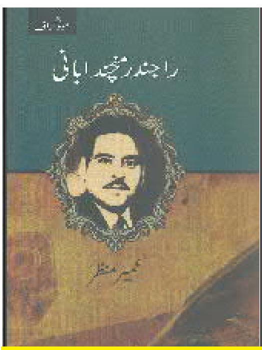

صفحات:122، قیمت:76 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, September 2016, Vol. 04, Issue: 9
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/08/16
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

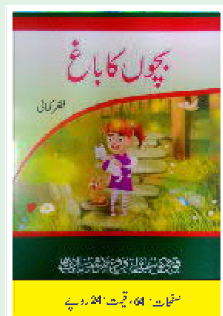

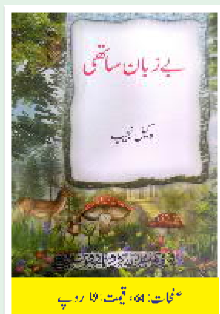

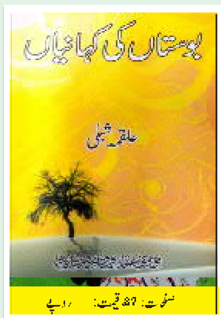

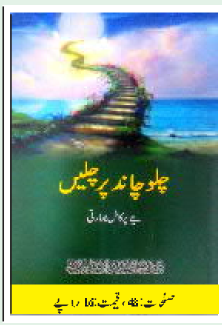

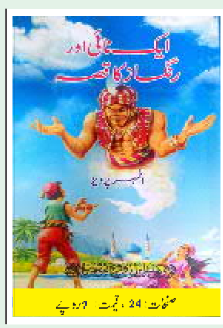

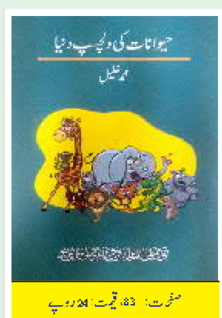

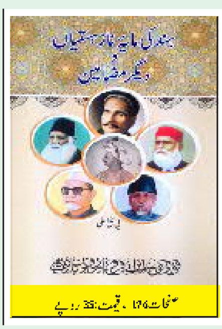

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.